

میری پچی

خواجہ شمس الدین عظیمی

تیلی بیچی سیکر



خواجہ شمس الدین عظیمی

تیلی بیچی سیکر
 ایک نیا اور دلکش
 کتاب ہے جو ہر
 شخص کو پڑھنا چاہیے۔

انتساب

اُن شاداب دل دوستوں کے نام جو مخلوق
کی خدمت کے ذریعے انسانیت کی معراج
حاصل کرنا چاہتے ہیں

اور

اُن سائنس دانوں کے نام جو سن دو ہزار چھ
عیسوی کے بعد زمین کی مانگ میں سینہ در
بھریں گے

امان اللہ بچائی لاہور

فلوٹ نمبر 4-55
ڈاؤننگ سیمپلنگ بورڈ
قلم اتھارٹی کراچی 7806

مستقبل

جملہ حقوق محفوظ

ناشر :- مکتبہ مدحانی ڈائجسٹ
۱۔ کسے ۱۳۰۰ء تا ۱۳۰۱ء
پوسٹ بکس ۲۲۱۳ - کراچی
مطبوعہ :- عظیمی پرنٹرز ناظم آباد
کراچی ۱۸ - فون ۶۲۶۳۳۳
ہدیه (۲۰) بروم پیسہ

فہرست

۱۶۱	اوقات مشق	۱۲۳	کیفیات و واردات سبق ۷
۱۶۱	سائنس لینے کی تعداد	۱۲۵	دروازہ کھلا
۱۶۱	نقطہ بیانی	۱۲۶	آخری تالاب
۱۶۱	ضروری تالیف	۱۲۷	دانا کج بخش کا مزار
۱۶۲	چھٹے سبق کے دوران تہہ بنیوی کی کیفیت	۱۲۸	آگ کی پست
۱۶۶	یٹلی پیٹی کا ساواں سبق	۱۳۰	باطنی آنکھ
۱۶۶	سائنس کی مشق	۱۳۳	تصویر کی صحیح تعریف
۱۶۶	اوقات مشق	۱۳۷	یٹلی پیٹی کا چوتھا سبق
۱۶۶	سائنس لینے کی تعداد	۱۳۹	۱۲۶ عناصر
۱۶۹	یٹلی پیٹی کے ذریعہ معرفت کا طریقہ	۱۴۲	انٹینا (ANTENNA)
۱۷۰	مٹا ہوا	۱۴۵	کیفیات و واردات سبق ۸
۱۷۲	یٹلی پیٹی سے کینسر کا علاج	۱۴۶	احساس کمتری سے نجات
۱۷۳	یٹلی پیٹی کا آٹھواں سبق	۱۴۸	سونے کے محل
۱۷۳	سائنس کی مشق	۱۵۱	عالم تمام حلقہ دام خیال ہے
۱۷۳	اوقات مشق	۱۵۳	قانون فطرت
۱۷۳	سائنس لینے کی تعداد	۱۵۶	یٹلی پیٹی کا پانچواں سبق
۱۷۵	دماغ ایک درخت	۱۵۹	یٹلی پیٹی کا چھٹا سبق
۱۷۸	روحانی انسان	۱۶۰	قید و بند کی حالت
۱۸۰	روحانیت اور استدراج	۱۶۱	سائنس کی مشق

۶	پیش نظر	۷	یٹلی پیٹی اور سائنس کی شقیں
۹	یٹلی پیٹی کیا ہے ؟	۸۰	یٹلی پیٹی کا دوسرا سبق
۱۲	نظریہ کا قانون	۸۲	منکر سلیم
۱۶	نام ایسی	۸۵	قبس میں پیر
۲۰	ہنگامہ نظام	۸۶	انسان، فرشتے اور جنات
۲۳	حضرت سلیمان کا دربار	۹۱	ایک انسان ہزاروں جسم
۳۱	خیالات کے تبادلہ کا قانون	۹۳	شیر کی عقیدت
۴۰	ارتکاز و توجہ	۹۵	ہروں میں رد و بدل کا قانون
۴۵	یٹلی پیٹی کا پہلا سبق	۹۷	کیفیات و واردات سبق ۷
۴۷	سٹاس اور نمک	۹۸	نورانی بال
۵۱	آئینہ بیانی	۹۹	گناہوں کی دلدل
۵۸	کیفیات و واردات سبق ۷	۱۰۰	نور کی بارش
۶۲	نیند کی دیوی	۱۰۱	چسراغ اور بوم بی
۶۳	نور میں ڈوبی ہوئی کائنات	۱۰۴	جھاڑ و درختوں کا شخص
۶۴	تیسری آنکھ	۱۰۶	علم کی درجہ بندی
۶۶	دعا قبول ہوئی	۱۱۳	دماغی کشمکش
۶۷	ڈوب ڈوب کر ابھرنا	۱۱۶	یٹلی پیٹی کا تیسرا سبق
۶۸	جنت کا بارش	۱۱۹	سائنس کا عقیدہ
۷۱	آواز خیالات کے دوش پر	۱۲۱	درخت بھی گفتگو کرتے ہیں

پیش لفظ

حضور قلندر بابا اویار رحمۃ اللہ علیہ جو اس دور کی ایک عظیم روحانی ہستی ہیں اپنی گرانقدر تصنیف "تذکرۃ تاج الدین بابا" میں ارشاد فرماتے ہیں :-

"انسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ آواز کی ہر مین کے معنی متین کرتے جاتے ہیں اسنے والوں کو مطلع کرتی ہیں۔ یہ طریقہ اس ہی بناؤں کی نقل ہے جو ان کی ہروں کے درمیان ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ گونگا آدمی اپنے ہونٹوں کی خفیف جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے اور سمجھنے کے ہاں سب کچھ سمجھ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی پہلے طریقہ کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو اپنے حال سے مطلع کر دیتے ہیں۔ پہلا بھی ان کی ہر مین کام کرتی ہیں۔ دخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو صرف آسنے سامنے کے دونوں میں نہیں ہوتی بلکہ دور دراز ایسے دونوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون ہمداد میں بھی رائج ہے۔ کلکروں، پتھروں، ٹٹکے کے ذروں میں من و عن اس طے سرع بناؤں خیال ہوتا ہے۔"

"انبیاء اور روحانی طاقت رکھنے والے انسانوں کے کہنے ہی واقعات اس کے شاہد ہیں۔ ساری کائنات میں ایک ہی لاشور کا رنسر رہا ہے۔ اس کے ذریعے غیب دشہود کی ہر ہر دوسری ہر کے معنی سمجھتی ہے، چاہے یہ دونوں ہر مین کائنات کے دو کناروں پر واقع ہوں غیبے شہود کی فراست اور محویت کائنات کی رگ جہاں ہے۔ ہم اس رگ جہاں میں جو خود ہماری اپنی

رگ جہاں بھی ہے، فکر اور توجہ کر کے اپنے تیارے اور دوسرے تیاروں کے ہمارا و احوال کا انکشاف کر سکتے ہیں۔ انسانوں اور حیوانوں کے صورتات، جنابت اور فرشتوں کی حرکات و سکنات، نباتات و جمادات کی اندرونی تحریکات معلوم کر سکتے ہیں۔"

"مسائل توجہ دینے سے ذہن کائناتی لاشور میں تحلیل ہو جاتا ہے اور ہمارے سراپا کا جتن بہت ان کی گرفت سے آزاد ہو کر ضرورت کے مطابق چرچہ و گفتگو، آہستہ و شہد میں محفوظ کر لیتا ہے۔ ہر مین ۱۹۰۹ء میں جب روحانی ڈائجسٹ میں شائع ہونے کے اسباق شروع کئے گئے تو ہمارے پیش نظر یہی مقصد تھا کہ اس ذریعہ سے پاکیزہ نفسوں، اشفاق ذہنوں پر قدم قدم چل کر فہم شہود کی وہ فراست اور محویت، توفیق و سعادت کی حدوں میں منکشف ہو جائے جو فراست اور محویت حضور بابا صاحب کے الفاظ میں کائنات کی اور ہماری اپنی بھی رگ جہاں ہے۔"

"مقام فکر و امتنان ہے کہ اللہ رب العزت نے ہماری کوشش کو درجہ قبولیت عطا کر دیا۔ آئندہ صفحات میں محفوظ، شائع ہونے کے اسباق پر عمل پیرا ہونے کے لئے طلباء اور طالبات کی روجہ پور وارادت و کیفیات اس کی شہادت دیتی ہیں۔"

"شائع ہونے والی اپنی انتقال خیال کی تکنیک، امری علوم کی وہ شائع ہے جسے عصر حاضر میں سب سے زیادہ عام توجہ حاصل ہوئی ہے۔ مغربی ممالک میں اور خود ہمارے ملک میں بھی شائع ہونے کے موضوع پر ہمارے کتابیں، ابتداء شائع ہو چکی ہیں علمی و علمی حیثیت پر کوئی تبصرہ کرنا اس وقت قصور نہیں تاہم اتنا ضرور کہنا ہے کہ انتقال خیال کے علم کو، پہلے روحانی ڈائجسٹ کے صفحات میں، اور اب اس مکمل کتاب کی صورت میں، جس نظری تشریح اور عملی رہنمائی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اس کی مثال کتابی علوم میں اس سے پہلے نہیں ملتی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ پیش کیا ہے اس کا ماخذ انگریزی کتب نہیں بلکہ اس کا سرچشمہ ہمارے روحانی اسلاف کا وہ عظیم الشان ورثہ ہے جو سینہ بسینہ منتقل

ہوتا رہا ہے۔ یہ ہمارے بزرگوں کا فیضان ہی ہے جس کی بدولت ٹیلی پتھی سیکھنے والے حضرات و
خواتین میں وہ طرز فکر منتقل ہوتی چلی گئی ہے جو ان طرز فکر کا جاتا ہے۔ ان کے کُرخ درست ہو گئے
اور وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہو گئے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَ لَكَ الشُّكْرُ

اس کتاب کی اشاعت کے اعلان کے بعد سے ایسا لگتا ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں
کوئی کنکری پھینک دی گئی ہے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک دائرے بنتے چلے گئے
اور ہر دائرہ قبولِ عام کا زندہ تصویر بن گیا۔ اللہ لطیف و خیر کی طرف سے یہ بہت بڑا انعام ہے
کہ کتاب چھپنے سے پہلے ہاشم شہر، قریہ، بانڈراؤں اور نجی محفلوں میں اس کا تذکرہ عام ہو گیا۔
میں اپنے کرم فرما دہوں کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے خلوص و محبت کی دولت بخشی
ہے۔ بواسطہ رحمتِ تعالیٰ میں صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حضور دعا ہے کہ میری یہ کوشش مخلوقِ خدا
کیلئے ذریعہ نجات بنے اور پریشان حال لوگ اس مفاد پر فائز ہو جائیں جس کا تذکرہ خود خالقِ کائنات
نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ اَلَا اَنْتَ اَوَّلُ الْيَوْمِ اَللّٰهُ لَا تُخَوِّفُ عَلَيْهِمْ وَلَا يُخَوِّفُ اَللّٰهُمَّ يَحْيٰ نُؤْمِنُ

جس طرح دنیا میں کسی بھی رائج علم کو سیکھنے کے لئے استاد ایک اہم ضرورت ہے
اسی طرح اس کتاب میں دیکھا ہوئی تدبیروں پر عمل کرنے کے لئے کسی استاد کی رہنمائی بہت ضروری
ہے۔ موجودہ سائنسی دور میں علمِ نفسیات (PSYCHOLOGY) اور علمِ
ما بعد النفسیات (PARAPSYCHOLOGY) کے استاد اور روحانی (SPIRITUAL)
سلسلوں کے فیض یافتہ بزرگ بڑی آسانی کے ساتھ یہ فرائض انجام
دے سکتے ہیں۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ اُنِيبُ
خواجہ شمس الدین عظیمی

ٹیلی پتھی کیا ہے؟

سائنس کی دنیا ہکشانانی اور شمسی نظاموں سے اچھی طرح روشناس ہے۔
ہکشانانی اور شمسی نظاموں کی روشنی سے ہماری زمین کا تعلق کیا ہے اور ان نظاموں کی
روشنی زمین کی نوعوں انسان، حیوانات، نباتات اور جمادات پر کیا اثر کرتی ہے یہ مرحلہ
سائنس کے سامنے آچکا ہے۔ سائنس دانوں کو یہ سمجھنا پڑے گا کہ شمسی نظاموں کی روشنی
حیوانات کے اندر، نباتات کے اندر اور جمادات کے اندر کس طرح اور کیا عمل کرتی ہے
اور کس طرح جانوروں، انسانوں، نباتات اور جمادات کی کیفیات میں رد و بدل کرتی رہتی
ہے۔ سائنس کا عقیدہ یہ ہے کہ زمین پر ہر موجود شے کی بنیاد یا قیام ہر اور صورت پر
ہے، ایسی ہر چیز کو روشنی کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔

ٹیلی پتھی میں ایسے علوم سے بحث کی جاتی ہے جو حواس کے پس پردہ شعور
سے چھپ کر کام کرتے ہیں۔ یہ علم ہمیں بتاتا ہے کہ ہمارے حواس کی گرفت محض مفروضہ ہے۔
مثال :

ہم جب کسی سخت چیز کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس چیز کی سختی کا علم ہو جاتا ہے
حالانکہ ہمارے دماغ کے اوپر وہ سخت چیز ٹکراتی نہیں ہے۔ سائنس کے نقطہ نظر اور
اور مخفی علوم کی روشنی میں ہر شے دراصل شعاعوں یا لہروں کے مجموعہ کا نام ہے جب ہم کسی

لکڑی یا لوہے کی طرف کسی بھی طریقہ سے متوجہ ہوتے ہیں تو لکڑی یا لوہے کی شعاعیں ہمارے
دماغ کو ہانپ کر دیتی ہیں۔ باخبری کے لئے یہ ضروری نہیں کہ لکڑی یا لوہے کی سختی کو چھو کر
محسوس کیا جائے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ شعاع یا ہمارے اندر سختی رکھتی ہے اور نہ وزن۔ پھر
ہمیں یہ علم کیسے ہو جاتا ہے کہ نلاں چیز سخت ہے یا قلاں چیز نرم ہے۔ ہم پانی کو دیکھتے ہیں
یا چھوتے ہیں تو فوراً ہمارے دماغ میں یہ بات آجاتی ہے کہ یہ پانی ہے حالانکہ ہمارے
دماغ میں پانی کا کوئی اثر نہیں ہوتا یعنی دماغ بھیگتا نہیں ہے۔ جب ہمارا دماغ بھیگتا
نہیں ہے تو ہم یہ کیسے کہہ دیتے ہیں کہ یہ پانی ہے۔

رنگ کی قسمیں ساٹھ سے زیادہ دریافت ہو چکی ہیں۔ جب ہم کوئی رنگ دیکھتے
ہیں تو نہ صرف یہ کہ ہم اس رنگ کو فوراً پہچان لیتے ہیں بلکہ رنگ کے ہلکے یا تیز اثرات
سے براہ راست متاثر ہوتے ہیں۔ ہر رنگ اور ہر پالی دیکھ کر ہمیں سکون محسوس ہوتا
ہے۔ مسلسل اور متواتر سرخ رنگ سامنے رہنے سے ہمارے دماغ پر ناگوار اثرات مرتب
ہوتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اعتدال سے زیادہ سرخ رنگ کے اثرات دماغ کو غیر متوازن
بھی کر دیتے ہیں۔

حقائق یہ ہیں کہ ہر شے الگ اور معین مقدار کے ساتھ وجود پذیر ہے۔ ہر دلی یا
شعاعوں کی معین مقدار میں ہی ہر شے کو ایک دوسرے سے الگ کرتی ہیں۔ اور ہر شے
کی ہر پالی یا شعاعیں ہمیں اپنے وجود کی اطلاع فسرنا ہم کرتی ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ ہر موجود
شے دراصل ہر دلی یا شعاعوں کا دوسرا نام ہے اور ہر شے کی ہر پالی یا شعاع ایک دوسرے
سے الگ یا مختلف ہے۔ اگر ہم یہ معلوم ہو جائے کہ انسان، حیوانات اور جمادات میں

کس کس قسم کی ہر پالی کام کرتی ہیں اور ان ہر دلی پر کس طرح کنٹرول حاصل کیا جاتا ہے تو ہم
ان چیزوں کو متاثر کر سکتے ہیں۔ ہر پالی یا شعاع دراصل ایک جاری و ساری حرکت ہے
اور ہر شے کے اندر ہر دلی یا شعاعوں کی حرکت کا ایک فارمولہ ہے۔ ہمارے ارد گرد
بہت سی آوازیں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ آوازیں بھی ہر دلی کی شکل میں موجود ہیں۔ ان کے قطر
WAVELENGTH بہت چھوٹے اور بہت بڑے ہوتے ہیں۔ سائنس دانوں نے اندازہ لگایا
ہے کہ چار سو قطر سے نیچے کی آوازیں آدمی نہیں سن سکتا اور ایک ہزار چھ سو قطر سے زیادہ
اونچی آوازیں بھی آدمی نہیں سن سکتا۔ چار سو قطر سے نیچے کی آوازیں برقی رد (ہر) کے ذریعے
سنی جاسکتی ہیں۔ اور ایک ہزار چھ سو قطر سے اونچی آوازیں بھی بجز برقی رد کے سننا ممکن نہیں۔
آنکھ کے پردوں پر جو عمل ہوتا ہے وہ لکڑی یا لوہے سے مختلف ہے۔ آنکھ کی جس قدر
تیز ہوتی ہے اتنا ہی وہ رد کو زیادہ قبول کرتی ہے۔ اور اتنا ہی رد میں امتیاز کر سکتی ہے۔ ٹیلی
پیشی کا اصل اصول یہی ہے کہ مشق کے ذریعے آنکھ کی جس کو اس قدر تیز کر دیا جائے کہ
صاحب مشق رد اور حواس کی ہر دلی میں امتیاز کرے۔ آنکھیں بھی حواس میں شامل ہیں لیکن
یہ ان چیزوں کا جو باہر سے دیکھتی ہیں زیادہ اثر قبول کرتی ہیں۔ باہر کا عکس آنکھوں کے
ذریعے اندر دلی دماغ کو متاثر کرتے ہیں۔ اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ حواس تازہ یا افسردہ ہوجانے
ہیں، کمزور ہوجانے ہیں یا طاقتور۔ ان ہی باتوں پر دماغی کام کا انحصار ہوتا ہے۔

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ ایک ہزار چھ سو قطر سے نیچے کی آوازیں برقی رد کے ذریعے سنی
جاسکتی ہیں اور یہ اس لئے ممکن ہے کہ ہمارے تمام حواس اور خیالات بجائے خود "برقی رد"
ہیں۔ اگر ہمارے خیالات برقی رد سے الگ کوئی چیز ہوتے تو برقی رد کو قبول ہی نہ کرتے۔
ٹیلی پیشی میں ہی خیالات جو دراصل برقی رد ہیں دوسرے آدمی کو منتقل کئے جاتے ہیں جیسا

منتقل کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ یہ رُوح کی ایک ذرہ پر یا کسی ایک سمت میں یا کسی ایک رُخ پر مرکوز ہو جائے۔ اگر یہ ضروری دیر بھی مرکوز رہے تو دور دراز تک اپنے اثرات مرتب کرتی ہے۔ انسان کو ادران چپستروں کو جو ذی رُوح نہیں سمجھی جاتیں ان کو بھی اس رُوح کے ذریعے متاثر کیا جاسکتا ہے۔

یہ جانتا ضروری ہے کہ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ باہر نہیں دیکھتے۔ کائنات کا ہر نظم ہمارے اندر موجود ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ ہمارے سامنے موجود ہے حالانکہ خارج میں کسی شے کا وجود محض مفروضہ ہے۔ ہر شے ہمارے INNER میں قیام پذیر ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم کسی چیز کا مشاہدہ اپنے اندر کرتے ہیں۔ اور یہ سب کا سب ہمارا علم ہے۔ اگر فی الواقع کسی شے کا علم حاصل نہ ہو تو ہم اس چیز کو نہیں دیکھ سکتے۔ مثلاً پیشانی میں پہلے پہل یہ مشق کرائی جاتی ہے کہ اشیاء ہمارے اندر موجود ہیں مشق کی ٹیکس کے بعد انسان یہ دیکھنے لگتا ہے کہ کفلاں چیز میرے اندر موجود ہے اور مسلسل توجہ کے بعد اس چیز پر نظر بٹھرتی جاتی ہے۔ ارتکاز توجہ کے لئے سانس کی مشق اور مراقبہ کرایا جاتا ہے۔

نظر کا قانون | مشقوں کا تذکرہ کرنے سے پہلے نظر کا قانون سمجھ لینا ضروری ہے۔ آدمی دراصل نگاہ ہے۔ نگاہ یا بصارت جب کسی شے پر مرکوز ہو جاتی ہے تو اس شے کو اپنے اندر جذب کر کے دماغ کے اسکرین پر لے آتی ہے۔ اور دماغ اس چیز کو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے اور اس میں جتنی پہچانتا ہے۔ نظر کا قانون یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو پہچانتا ہے تو دماغ کی اسکرین پر اس شے کا عکس پسندہ ہو سکتا ہے۔ تاہم رہتا ہے اور ایک جھپکنے کے عمل سے یہ آہستہ آہستہ مدھم ہو کر حافظہ میں چلا جاتا ہے۔ اور دوسرا

عکس دماغ کی اسکرین پر آ جاتا ہے۔ اگر نگاہ کو کسی ہدف پر پندرہ سیکنڈ سے زیادہ مرکوز کیا جائے تو ایک ہی ہدف بار بار دماغ کی اسکرین پر وارد ہوتا ہے اور حافظہ پر نقش ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً ہم کسی چیز کو پلک جھپکا کے بغیر مسلسل ایک گھنٹہ تک دیکھتے ہیں تو اس عمل سے نگاہ قائم ہونے کا وصف دماغ میں پیوست ہو جاتا ہے اور دماغ میں یہ پیشگی وہ اپنی انتشار کو ختم کر دیتا ہے۔ ہوتے ہوئے اتنی مشق ہو جاتی ہے کہ شے کی حرکت صاحبِ مشق کے اختیار اور تصرف میں آ جاتی ہے۔ اب وہ شے کو جس طرح چاہے حرکت دے سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نگاہ کی مرکزیت کسی آدمی کے اندر قوت ارادی کو ختم دیتی ہے اور قوت ارادہ سے انسان جس طرح چاہے کام لے سکتا ہے۔ مثلاً سچی کا جصل اصول بھی یہی ہے کہ انسان کسی ایک نقطہ پر نگاہ کو مرکوز کرنے پر قادر ہو جائے۔ نگاہ کی مرکزیت حاصل کرنے میں کوئی نہ کوئی ارادہ بھی شامل ہوتا ہے۔ جیسے جیسے نگاہ کی مرکزیت پر عبور حاصل ہوتا ہے اسی مناسبت سے ارادہ مستحکم اور طاقتور ہو جاتا ہے۔ مثلاً سچی جانتے والا کوئی شخص جب یہ ارادہ کرتا ہے کہ اپنے خیال کو دوسرے آدمی کے دماغ کی اسکرین پر عکس کر دے تو اس شخص کے دماغ میں یہ ارادہ منتقل ہو جاتا ہے۔ وہ شخص اس ارادے کو خیال کی طرح محسوس کرتا ہے۔ اگر وہ شخص ذہنی طور پر یک سو ہے تو یہ خیال تصور اور احساسات کے مراحل سے گزر کر منظم بن جاتا ہے۔ اگر اسی ارادہ کو بار بار منتقل کیا جائے تو دماغ اگر ایک سوتر بھی ہو تو یک سو ہو کر اس خیال کو قبول کر لیتا ہے اور ارتکاز توجہ سے خیال عملی جامہ پہن کر نظیر عام پر آ جاتا ہے۔ مثلاً سچی، محض خیالات کو دوسرے تک منتقل کرنے کا علم ہی انہیں ہے بلکہ اس علم کے ذریعے ہم اپنی زندگی کا مطالعہ کر کے زندگی کو خوش آہستہ تصورات سے مزین کر سکتے ہیں زندگی خواہشات، امتدادوں اور آرزوؤں کے تلسے بانے پر قائم ہے۔

زندگی بنیادی طور پر خواہشات کے خیر سے مرکب ہے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو
 کے اندر پہلی خواہش بھوک کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے اور جب ماں بچہ کو سینے سے لٹکاتی
 ہے تو بچہ اپنی اس خواہش کی تکمیل اس طرح کرتا ہے جیسے یہ ماں کے پیٹ سے ہی میل سیکھ کر
 آیا ہے۔ خواہشات کی تکمیل کے مراحل طے کرنے کا دوسرا نام نشوونما ہے۔ خواہشات کی
 تکمیل دو طرح ہوتی ہے۔ ایک شعوری طور پر اور دوسرے لاشعوری طور پر۔ شعور اور لاشعور
 دراصل ایک درجہ کے دو صفحے ہیں۔ ایک صفحہ پر خیالات اور تصورات کے نقوش زیادہ روشن
 اور واضح ہیں۔ دوسرے صفحہ پر دھندلے اور کم روشن۔ جس صفحہ پر نقوش زیادہ روشن اور
 واضح ہیں اس صفحہ کا نام لاشعور ہے اور جس صفحہ پر نقوش دھندلے اور کم روشن ہیں اس صفحہ کا
 نام شعور ہے۔ روحانیت میں یہ بات مشاہدہ کرائی جاتی ہے کہ روشن اور واضح خیالات میں
 قائم آپسیس نہیں ہوتا۔ غیر واضح خیالات اور تصورات کا ہر قدم قائم آپسیس کے ساتھ بندھا
 ہوتا ہے۔ ہم جب کسی ایک خواہش اور اس کی تکمیل کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات
 آتی ہے۔ خواہش کو جب الگ معنی پہنچا دیے جاتے ہیں تو اس کی الگ ایک حقیقت بن جاتی
 ہے۔ مثلاً بھوک ایک خواہش ہے اور اس کی تکمیل کا ذریعہ کچھ کھانا ہے۔ ایک آدمی بھوک
 کی تکمیل روٹی اور گوشت کھا کر کر لیتا ہے۔ دوسرا گوشت کی بجائے کسی اور غذا سے پیٹ
 بھر لیتا ہے۔ شیر گھاس اور پتے نہیں کھانا، بکری گوشت نہیں کھاتی۔ ایک آدمی کو استہائ
 درجہ بڑھائی سے رغبت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس دوسرا شخص ممکنہ چیزیں زیادہ پسند کرتا
 ہے۔ اس حقیقت سے ایک فرد واحد بھی انکار نہیں کر سکتا کہ انسان کی زندگی میں غوثی
 اور غنیم کا تعلق براہ راست خیالات اور تصورات سے وابستہ ہے۔ کوئی خیال ہمارے
 لئے سرت آگیا ہوتا ہے اور کوئی خیال انتہائی کرناک۔ ڈر، خوف، شک، حسد،

طبع، نفرت و حقارت، غرور و تکبر، خود غمانی وغیرہ سب خیالات کی پسند اور پس
 اور اس کے برعکس محبت، ایشاء، یقین، انکساری اور حزن و ملال کا ہونا بھی خیالات کی
 کار فرمائی ہے۔ بیٹھے بیٹھے یہ خیال بھلی کی طرح کوند جاتا ہے کہ ہمارے یا ہماری اولاد کے
 ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے گا، حالات کہ حادثہ پیش نہیں آیا۔ لیکن یہ خیال آستے ہی حادثات
 سے متعلق پوری پریشانیوں کی طرح درکڑی ہم اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔ اور اس سے متاثر
 ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ یہی حال خوشی اور خوش حال زندگی کا ہے جب کوئی خیال تصور
 بن کر ایسے نقطہ پر مرکوز ہو جاتا ہے جس میں شادمانی اور خوش حالی کی تصویریں موجود ہوں
 تو ہمارے اندر خوشی کے قوارے اُبلنے لگتے ہیں۔

غنیم اور خوشی دونوں تصورات سے وابستہ ہیں۔ اور تصورات خیالات سے
 جنم لیتے ہیں۔



ٹائم اسپیس

آپ نے ایسے مریض ضرور دیکھے ہوں گے کہ ان کے دماغ میں یہ بات نقش ہو گئی ہے کہ وہ اگر گوسے یا ہرنکلیں گے تو ان کا ایک ہیڈ بٹ ہو جائے گا۔ خیال کی طاقت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے ذہن میں ہمپکلی یا جلی کا خوف بٹھ جاتا ہے۔ اور یہ خوف ان کے دماغ سے اس طرح چسٹ جاتا ہے کہ وہ ذہنی مریض بن کر رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ اس خوف کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہوتی، بس ایک مفروضہ کے تحت خیال خوف بن کر دماغ پر چھا جاتا ہے۔

میرے پاس ایک مریضہ لائی گئی جس کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ اس کے اوپر جادو کیا گیا ہے اور اس جادو کی وجہ سے کھانے کے بعد اس کے پیٹ میں درد ہوتا ہے۔ شوہر اس بات کو بے بنیاد قرار دیتے تھے۔ میری تشخیص بھی یہی تھی کہ محض وہم ہے۔ علاج کے سلسلے میں ہضم سے متعلق کچھ دوائیں دے دی گئیں لیکن مریض میں افادہ کی بجائے اضافہ ہو گیا اور درد کی شدت اتنی بڑھی کہ مریضہ کو دائمی دورے پڑنے لگے۔ اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ علاج پر کئی ہزار روپے خرچ ہونے کے باوجود 'مریض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی' کے مصداق مریض دگرگوں ہو گیا۔ اس کے بعد نفسیاتی اسپتال میں ایک ماہ تک علاج ہوتا رہا۔ پھر عامل حضرات سے رجوع کیا گیا۔ جب کسی بھی صورت سے فائدہ نہ ہوا تو مریضہ کو

میرے پاس دوبارہ لایا گیا۔ میں نے نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ ان کے تمام حالات سنے اور ان سے کہا میں دیکھ کر بتاؤں گا کہ آپ کے اوپر کس قسم کا اثر ہے اور ان کو ہدایت کروں گا کہ آپ دو تین روز کے بعد معلوم کر لیں۔ پندرہ روز تک وہ اپنے بارے میں مجھ سے جو حقیقی باتیں اور میں ان سے فرصت نہ ملنے کی معذرت کرتا رہا۔ جب ان کا یقین اس نقطہ پر مرکوز ہو گیا کہ میرے سوا ان کا علاج کوئی نہیں کر سکتا تو میں نے ان سے کہا "آپ کے اوپر زبردست اثر ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ آپ صبح اذان سے پہلے اتنے بخ کر اتنے منٹ پر بند آنکھوں سے میرا تصور کر کے بیٹھ جائیں۔ میں اپنی روحانی قوت سے یہ اثر ختم کر دوں گا۔ اب آپ مریضہ کی زبان سے ان کا حال سنئے۔ مریضہ نے مجھے بتایا:

اس خیال سے کہ صبح وقت مقررہ پر میری آنکھ نہ لگ جائے میں ساری رات جاگتی رہی۔ گھڑی دیکھ کر وقت مقررہ پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ آپ کے اندر سے میرے دماغ میں ہر مہم نقل ہو رہی ہیں۔ جیسے جیسا یہ ہر مہم میرے دماغ سے ٹکرائیں میں نے دیکھا کہ میں ایک پرانے قبرستان میں ہوں۔ وہاں دو پرانی قبروں کے درمیان ایک جگہ میں نے مٹی کھودی اور اس میں سے ایک گڑیا برآمد ہوئی۔ اس گڑیا کے سینے پر دل کی جگہ میرا نام لکھا ہوا تھا۔ میں نے وہ گڑیا قبرستان کے کونے میں ڈال دی اور اسی وقت پریت کا دم ختم ہو گیا۔ وقت مقررہ پر میں نے صوف پر غل کیا کہ اپنے خیال کی قوت سے مریضہ کو یہ بتایا کہ آپ کے اوپر جو اثر تھا وہ ختم ہو گیا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے اوپر کوئی اثر یا جادو نہیں تھا۔

قانون تخلیق کے تحت انسان تین پرت کا مجموعہ ہے۔ ایک پرت صفاتی ہے، دوسرا پرت ذاتی ہے اور تیسرا پرت ذات اور صفات کو الگ الگ کرتا ہے۔ اس کا پرت کو ہم

جس دن کی کہتے ہیں۔

ہر پرت کے محوسات جدا گانہ ہیں۔ ذات کا پرت وہم اور خیال کو بہت قریب سے دیکھنا، سمجھنا اور محسوس کرنا ہے۔ صفات کا پرت وہم اور خیال کو تصور بن کر جسم خاکی کو قتل کر دیتا ہے اور تصورات کو معنی کا لباس پہن کر خوشی یا غم کا مفہوم دیتا ہے۔ اگر اس کو ایسی معلومات فراہم کی جائیں جو کسی خوب صورت بارغ سے متعلق ہوں تو اس کے اندر رنگین ہوسریں، رنگین روشینیاں، خوشبو کے طوفان، حسن کے رجحانات رونما ہونے لگتے ہیں اور اگر ایسی معلومات فراہم کی جائیں جو کسی حادثہ سے تعلق رکھتی ہوں تو اس کے اندر رنگین روشنیوں کی بجائے تاریکی، خوشبو کی جگہ بدبو اور حسن کی جگہ بد صورتی، خوشی کی جگہ غم، ایسہ کی بجائے بالوں کی بوجھت کی جگہ نفرت جیسے رجحانات رونما ہونے لگتے ہیں۔

قدرت نے جس پرت کو غیر جانب دار (NEUTRAL) بنایا ہے اس میں دو قسم کے نقوش ہوتے ہیں۔ ایک نقیش باطن جس کے اندر لطیف انوار کا ذخیرہ ہوتا ہے اور اٹم اسپیس (TIME-SPACE) کا عمل چل نہیں ہوتا۔ دوسرا نقش ظاہر، جس کے اندر غرض پسندی، حسد، ذہنی تعیش، احساس کمتری، کم ظرفی اور تنگ نظری جیسے جذبات تشکیل پاتے ہیں۔

اصل بات خیالات کو معنی پہنانے کی ہے۔ خیالات کو جو معنی دیئے جاتے ہیں وہ تصور بن جاتا ہے اور پھر یہی تصور مظاہراتی حدود خال اختیار کر کے ہماری زندگی کی راہ متعین کرتا ہے۔ غم و اندھ سے بسریز یا آرام و آسائش سے بھرپور۔

تصورات میں اگر پیچیدگی ہے تو یہ الجھن، اضطراب اور پریشانی کا جسام بن لیتا ہے اور جب ایسا ہوتا ہے تو نقیش باطن میں خراشیں پڑ جاتی ہیں۔ یہی خراشیں اخلاقی امراض کی بنیاد ہیں۔ ان ہی خراشوں سے بے شمار امراض پیدا ہوتے ہیں مثلاً سرگی،

وہمی فتنہ کا عارضہ، مایوسی، خفقان، کینسر، بے گندہ، دق اور سیل وغیرہ۔

جب تک ہماری بنیادی خواہشات غیر آسودہ رہتی ہیں ہم غموم رہتے ہیں۔ یہ غم آسودگی میں غیر مطمئن اور مضطرب رکھتی ہے۔ زندگی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ہم اپنی چیز کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں جس میں مسرت کا پہلو نمایاں ہو۔ چونکہ ہم غم زدہ یا پر مسرت زندگی گزارنے کے قانون سے ناواقف ہیں اس لئے زیادہ تر ہم جتنا ہے کہ ہم مسرت کی تلاش میں اکثر بیشتر غلط سمت قدم بڑھاتے رہتے ہیں اور نادانانہ حقیقت کی بنا پر اپنے لئے ایسا راستہ منتخب کر لیتے ہیں جس میں تاریکی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ہم جب زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ زندگی کے روز و شب اور ماہ و سال آدمی سے زیادہ آزدگی اور مالوسی میں گزر جاتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ کون سا راستہ ہے جس راستے میں مسرت کی روشن قدر میں اپنی روشنی بکھیر رہی ہیں۔ وہ کون سی فضا ہے جس میں شبنم موتی بن جاتی ہے۔ وہ کون سا ماحول ہے جو وسط سر اور پرشکون ہے۔ وہ کون سی خوشبو ہے جس سے شعور روشن ہو جاتا ہے۔ ہم ناخوش اور غیر مطمئن اس لئے ہوتے ہیں کہ ہمارے اندر جو خواہش پیدا ہوتی ہے وہ غیر شعور کا ہے اور ہم خواہش کے پس پردہ ضرورت سے ناواقف ہیں۔

ہکشان نظام

بڑی شکل یہ پیش آگئی ہے کہ ہم رگ پٹوں کی بناوٹ اور ہڈیوں کے ڈھانچے کو انسان کہتے ہیں حالانکہ یہ انسان وہ انسان نہیں ہے جس کو فطرت انسان کہتا ہے۔ ہم اس رگ پٹوں سے مرکب انسان کو اصل انسان کا لباس کہہ سکتے ہیں۔

مثال :

جب ہم مریجاتے ہیں تو ہمارے جسم میں کسی قسم کی اپنی کوئی حرکت نہیں رہتی۔ اس جسم کے ایک ایک عضو کو کاٹ ڈالنے پر اسے جسم کو گھسیٹے، مفرد بکھیے، اس مردہ جسم کو ایک طرف ڈال دیجئے، کچھ بھی کیجئے جسم کی طرف سے اپنی کوئی مداخلت، کوئی حرکت عمل میں نہیں آئے گی۔ اس میں زندگی کا کوئی شائبہ کسی ٹوٹ بھی پیدا ہونے کا امکان نہیں ہے۔

اب ہم اسی مثال کو دوسری طرح بیان کرتے ہیں :

آپ نے قیص پہنی ہوئی ہے۔ اگر آپ یہ چاہیں کہ قیص بذات خود جسم سے الگ رہ کر بھی حرکت کرے تو یہ بات ممکنات میں سے نہیں ہے۔ جب تک قیص جسم کے اوپر ہے جسم کی حرکت کے ساتھ اس کے اندر بھی حرکت موجود ہے۔ اگر آستین ہاتھ کے اوپر ہے تو ہاتھ ہلانے سے آستین کا ہلنا بھی ضروری ہے۔ آپ یہ چاہیں کہ ہاتھ و حرکت

کرے لیکن آستین میں حرکت پیدا نہ ہو، ایسا ہونا بے لائق قیاس ہے۔ جب تک ہاتھ کے اوپر آستین ہے ہاتھ کی حرکت کے ساتھ آستین کا ہلنا ضروری ہے۔ بالکل یہی حال جسم کا بھی ہے۔

جسم کو جب ہم لباس کہتے ہیں تو اس سے ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ رگ پٹوں اور ہڈیوں کے پنجرے سے مرکب خاکی جسم، روح کا لباس ہے۔ جب تک روح موجود ہے جسم بھی متحرک ہے اور اگر روح موجود نہیں ہے تو روح کے لباس (جسم) کی حیثیت قیص کی طرح ہے۔

انسان دو تقاضوں سے مرکب اور متحرک ہے۔ ایک تقاضہ جلتی ہے اور دوسرا فطری۔ جلتی تقاضہ پر ہم با اختیار ہیں اور فطری تقاضہ پر ہمیں کسی حد تک تو اختیار ہے مگر اس ارادہ کو کلیتہً رد کرنے پر اختیار نہیں رکھتے۔ ایک ماں اپنے بچے سے محبت کرتی ہے۔ بچہ مریجاتا ہے، ماں رو دھو کر بالآخر صبر کر لیتی ہے۔ عرف عام میں ماں کی محبت کو فطری تقاضہ کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ تقاضہ فطری نہیں جلتی ہے۔ ماں کی محبت کو اگر فطری جذبہ قرار دیا جائے تو بچہ کی جدائی کے غم میں اپنے بچے کے ساتھ ہی مری جائے گی یا بچہ کی یاد اس کے حواس کا شیرازہ بکھیر دے گی لیکن ایسا نہیں ہوتا۔

اس کے برعکس فطری تقاضے بھوک اور فتنہ کے سلسلے میں غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ کوئی آدمی بھوک رنج کرنے کے لئے خوراک میں کمی بیشی تو کر سکتا ہے لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کبھی کچھ نہ کھائے یا پیاس کا تقاضا پورا کرنے کے لئے بالکل پانی نہ پیے۔ یا ساری عمر جاگتا رہے یا پوری زندگی سوتا رہے۔ ان معائنات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جذبات فطری ہوں یا جلتی، بہر کیف ان کا تعلق خیالات سے ہے۔ جب تک

کوئی تقاضہ خیال کی صورت میں جلوہ گر نہیں ہوگا ہم اس سے بے خبر رہیں گے۔ ہمارے اوپر جو اس (بصارت، سماعت، اگوائی، لمس) کا انکشاف نہیں ہوگا۔

انسان کے اندر یہ خواہش فطری ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ خیالات کیوں آتے ہیں اور کہاں سے آتے ہیں اور خیالات کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مل کر کس طرح زندگی بنتے ہیں۔ عام زبان میں تفکر کو آٹا کا نام دیا جاتا ہے۔ اور آٹا یا تفکر ایسا کیفیات کا مجموعہ ہے جن کو مجموعی طور پر نشہ دیتے ہیں۔ اس طرح کی تخلیق ستارے بھی ہیں اور ذرے بھی ہمارے شعور میں یہ بات یا تو بالکل نہیں آتی یا بہت کم آتی ہے کہ تفکر کے ذریعے ستاروں، ذروں اور تمام مخلوق سے ہمارا تبادلہ خیال ہوتا رہتا ہے۔ ان کی آٹا یعنی تفکر کی ہر سی ہیں بہت کچھ دیتی ہیں۔ اور ہم سے بہت کچھ لیتی بھی ہیں۔ تمام کائنات اسی وضع کے تبادلہ خیال کا ایک خاندان ہے۔ مخلوق میں فرشتے اور جنات ہمارے لئے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں تفکر کے اعتبار سے ہمارے زیادہ قریب ہیں اور تبادلہ خیال کے لحاظ سے ہم سے زیادہ مانوس ہیں۔ کہکشاں نظاموں اور ہمارے درمیان بڑا مستحکم رشتہ ہے۔ بے درپے جو خیالات ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ دوسرے نظاموں اور ان کی آبادیوں سے ہیں وصول ہوتے رہتے ہیں۔ یہ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ روشنی کی چھوٹی بڑی شعاعیں خیالات کے بننے شہ تصویر خانے لے کر آتی ہیں۔ ان ہی تصویر خانوں کو ہم اپنی زبان میں توہم، تخیل، تصور اور تفکر کا نام دیتے ہیں۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ ہماری اپنی اختراعات ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تمام مخلوق کے سوچنے کی طرز میں ایک نقطہ مشترک رکھتی ہیں۔ وہی نقطہ مشترک تصویر خانوں کو جمع کر کے ان کا علم دیتا ہے۔ یہ علم نوع اور فرد کے شعور پر منحصر ہے۔ شعور جو اسلوب اپنی آٹا کی افتد کے مطابق قائم کرتا ہے تصویر خانے اسی اسلوب کے سانچے

میں ڈھل جاتے ہیں۔

اس موقع پر یہ تبادیلا ضروری ہے کہ تین نوعوں کے طرز عمل میں زیادہ اشتراک ہے۔ ان ہی کا تذکرہ قرآن پاک میں انسان، فرشتہ اور جنات کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ نوعیں کائنات کے اندر سارے کہکشاںی نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔ قدرت نے کچھ ایسا نظام قائم کیا ہے جس میں یہ تین نوعیں تخلیق کا رکن بن گئی ہیں۔ ان ہی کے ذہن سے تخلیق کی ہر سی خارج ہو کر کائنات میں منتشر ہوتی ہیں۔ اور جب یہ ہر سی معین مسافت طے کر کے معین نقطہ پر پہنچتی ہیں تو کائناتی مظاہر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ کائنات زمانی اور مکانی فاصلوں کا نام ہے۔ یہ فاصلے آٹا کی چھوٹی بڑی مخلوق اہروں سے بنتے ہیں۔ ان اہروں کا چھوٹا بڑا ہونا ہی تفسیر کہلاتا ہے۔

یہ قانون بہت زیادہ فکر سے ذہن نشیں کرنا چاہیے کہ جس قدر خیالات ہمارے ذہن میں دور کرتے ہیں ان کا تعلق قریب اور دور کی ایسی اطلاعات سے ہوتا ہے جو اس کائنات میں کہیں نہ کہیں موجود ہیں۔ یہ اطلاعات اہروں کے ذریعے ہم تک پہنچتی ہیں۔ سائنس دان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفترا قرار دیتے ہیں۔ لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ زمانی اور مکانی فاصلوں کو منقطع کر دے۔ البتہ آٹا کی ہر سی لائق اہمیت میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمانی اور مکانی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے ہیں۔ یہ الفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان اہروں کے لئے زمانی اور مکانی فاصلے موجود ہی نہیں ہیں۔ روشنی کی ہر سی جن فاصلوں کو کم کرتی ہیں آٹا کی ہر سی ان ہی فاصلوں کو بجائے خود موجود نہیں جانتیں۔ اس بات کی تصدیق قرآن حکیم میں حضرت سلیمان کے سلسلے میں بیان کردہ واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت سلیمانؑ کا دربار | حضرت سلیمان علیہ السلام کے عظیم اشان اور بے مثال دربار میں انسانوں کے علاوہ جن اور حیوانات بھی درباری خدمات کے لئے حاضر رہتے تھے اور اپنے مراتب اور سپرد کردہ خدمات پر بے چون و چرا عمل کرتے تھے۔

دربار سلیمانؑ پر سے جاوہ چشم کے ساتھ صنعت تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے چارہ لیا تو ہڈ کو خیر عاقریا یا۔ ارشاد فرمایا۔

”میں ہڈ کو موجود نہیں پاتا۔ کیا وہ واقعی غیر حاضر ہے؟ اگر اس کی غیر حاضری ہے تو میں اس کو سخت سزا دوں گا۔ یا ذبح کر ڈالوں گا۔ یا پھر وہ اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بتائے۔“ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ہڈ حاضر ہو گیا۔ اور حضرت سلیمانؑ کی باز پرس پر اس نے کہا۔

”میں ایک ایسی قیمتی خیر لایا ہوں جس کی اطلاع آپ کو نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ زمین کے علاقے میں سب کی ملکہ رہتی ہے اور خدا نے اسے سب کچھ دے رکھا ہے اور اس کا تخت سلطنت اپنی خوبیوں کے اعتبار سے عظیم اشان ہے۔ ملکہ اور اس کی قوم آفتاب پرست ہے۔ شیطان نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اور وہ خدا سے لاشربیک کی پرستش نہیں کرتے۔“

حضرت سلیمانؑ نے کہا۔

”تیرے جھوٹ اور سچ کا امتحان ابھی ہو جائے گا۔ تو اگر سچا ہے تو میرا یہ خط لے جا اور اس کو ان تک پہنچا دے اور انتظار کر کہ وہ اس کے متعلق کیا گفتگو کرتے ہیں۔“

بہ ہڈ جب یہ خط لے کر پہنچا تو ملکہ سببا سورج دیوتا کی پرستش کے لئے جا رہی تھی۔ ہڈ نے راستہ ہی میں یہ خط ملکہ کے سامنے ڈال دیا۔

جب یہ خط گر تو ملکہ نے اٹھا کر پڑھا اور پھر اپنے درباریوں سے کہا۔

”ابھی میرے پاس ایک مکتوب آیا ہے جس میں یہ درج ہے۔ یہ خط سلیمان کی جانب سے اور اللہ کے نام سے شروع ہے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔ تم کو ہم سے سرکشی اور سر بلندی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے اور تم میرے پاس خدا کے فرماں بڑا بن کر آؤ۔“

ملکہ سببا نے خط کی عبارت پڑھ کر کہا۔ ”اے میرے ارکان حکومت تم جانتے ہو کہ میں اہم معاملات میں تمہارے مشورے کے بغیر کبھی کوئی اقدام نہیں کرتی۔ اس لئے اب تم مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔“

ارکان حکومت نے عرض کیا۔ ”جہاں تک یہ عیب ہونے کا تعلق ہے اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم زبردست طاقت اور جنگی قوت کے مالک ہیں۔ رہا مشورے کا معاملہ تو آپ جو چاہیں فیصلہ کریں، ہم آپ کے فرماں بردار ہیں۔“

ملکہ نے کہا۔ ”جس عجیب طریقے سے سلیمان کا پیغام ہم تک پہنچا ہے وہ میں اس بات کا سبق دیتا ہوں کہ سلیمانؑ کے معاملے میں سوچ بچھ کے کوئی قدم اٹھایا جائے۔ نیز ارادہ یہ ہے کہ چند قاصد روانہ کروں اور وہ سلیمانؑ کے لئے عمدہ اور بیش قیمت تحائف لے جائیں۔“

جب ملکہ سببا کے قاصد تحائف لے کر حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا۔ ”تم اپنے ہدایا واپس لے جاؤ اور اپنا ملکہ سے کہو اگر اس نے میرے پیغام کی تعمیل نہیں کی تو میں ایسے عظیم اشان لشکر کے ساتھ سببا والوں تک پہنچوں گا کہ اس کی مدافعت اور مقابلہ سے عاجز ہو سکے۔ اور پھر میں تم کو ذلیل اور رسوا کر کے شہر بدر کر دوں گا۔“

قاصد نے واپس آکر ملکہ سببا کے سامنے تمام صورت حال بیان کی اور حضرت سلیمان کی عظمت و شوکت کا جو حال دیکھا تھا حرف بہ حرف کہہ سنایا اور بتایا کہ ان کی حکومت صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جن اور حیوانات بھی ان کے تابع فرمان اور سرخز ہیں۔

ملکہ نے جب یہ سنا تو طے کر لیا کہ بہت سہی ہے کہ ان کی آواز پر لبیک کہا جائے۔
پسند اس نے سفر شروع کر دیا اور حضرت سلیمان کی خدمت میں روانہ ہو گئی۔

حضرت سلیمان کو معلوم ہو گیا کہ ملکہ سببا حاضر خدمت ہو رہی ہے۔ آپ نے اپنے درباریوں کو مخاطب کر کے کہا "میں چاہتا ہوں کہ ملکہ سببا کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کا تخت شاہی اس دربار میں موجود ہو۔"

ایک دیو سپرکرن نے کہا: "آپ کا دربار برخواست کرنے سے پہلے ہی میں تخت لا سکتا ہوں۔"

جن کا یہ دعویٰ سن کر ایک انسان نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا، یہ کہا: "اس سے پہلے کہ آپ کی ہلک چھپکے میں یہ تخت آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں۔"

حضرت سلیمان نے رنج پھیر کر دیکھا تو دربار میں ملکہ سببا کا تخت موجود تھا۔

نامہ سپیس کی حد بتاؤں میں جکڑے ہوئے شعور کے لئے یہ امر قابل غور ہے کہ

سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے ملکہ سببا کا تخت شاہی خیال کی رفتار سے، ہلک

جھپکے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچ گیا۔ یعنی بندہ کے خیال کی ہر تخت کے

اندر کام کرنے والی ہروں میں جذب ہو کر تخت کو منتقل کرنے کا ذریعہ بن گئیں۔

انسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ آواز

کی ہر صحن کے معنی معین کرنے جاتے ہیں سننے والوں کو مطلع کرتی ہیں۔ یہ طریقہ اس ہی تبادلاً

خیال کی نقل ہے جو آنا کی ہروں کے درمیان ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ گونا گوا آدمی اپنے ہونٹوں کی خفیف سی جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے اور سمجھنے کے اہل سب کچھ سمجھ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی پہلے طریقے کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو اپنے حال سے مطلع

کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی آنا کی ہر خیالات کی منتقلی کا کام کرتی ہیں۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو صرف آنے سامنے کے درختوں میں ہی نہیں ہوتی بلکہ دور دراز

ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں بھی رائج ہے۔ کنکروں، پتھروں، مٹی کے ذروں میں من و عن ای طرح تبادلہ خیال ہوتا ہے۔ روحانی طاقت رکھنے والے انسانوں کے کہنے ہی

واقعات اس کے مثا ہیں۔ اساری کائنات میں ایک ہی شعور کا فرما ہے۔ اس کے

ذریعے غیب و شہود کی ہر لہر دوسری کے معنی سمجھتی ہے، چاہے یہ دونوں ہر کائنات کے

دو کناروں پر واقع ہوں۔ غیب و شہود کی فراست و عنویت کائنات کی رگ جاں ہے جو

خود ہماری اپنی رگ جاں بھی ہے۔ تفکر اور توجہ کر کے ہم اپنے بتائے اور دوسرے

ستاروں کے آثار و احوال کا شہدہ کر سکتے ہیں۔ اور انسانوں، حیوانوں، جنات اور فرشتوں

کی حرکات و سکنات، نباتات اور جمادات کی اندرونی تحریکات بھی معلوم کر سکتے ہیں۔

مسل مشق اور ارتکاز توجہ سے ذہن کائناتی لاشعور میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے

سرابا کا عین پرست آنا کی گرفت سے آزاد ہو کر ضرورت کے مطابق ہر حسب و کیفیاء، سمجھا اور

شعور میں محفوظ کر دیتا ہے۔

یہی روحانیت ہے اور یہی۔ کی پتی (TELEPATHY) ہے۔ فرق صرف

اتنا ہے کہ روحانیت اپنے اندر ایک وسعت رکھتی ہے اور یہی پتی صرف خیالات کے

بنادے کا نام ہے۔

حضرت غوث علی شاہؒ کی کتاب ”تذکرہ غوثیہ“ میں مولانا گل حسن صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز راقم نے عرض کیا ”حضرت کبھی آپ کو عشق بھی ہوا ہے؟“

حضرت نے فرمایا:

جب ہم گھر سے چل کر بنارس پہنچے تو وہاں ہمارے بھائی فیض الحسن تقاضا دیتے تھے۔ ان سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ بھائی نے بہت اصرار کیا کہ گھر پر بیٹھو۔ مگر ہم کو بولے مسجد کے آرام کیاں تھا۔ گنگا کے کنارے ایک مسجد تھی۔ اس میں بیٹھ گئے۔ مسجد کے ایک طرف گھاٹ تھا اور دوسری طرف شاریع عام تھی۔ بھائی صاحب بھی روزمرہ وہاں تشریف لاتے تھے۔ کھانا بھی وہی بیچتے تھے۔ ایک روز عصر کی نماز کے بعد مسجد کا دیوار پر بیٹھے ہوئے ہم سیر کر رہے تھے کہ یکایک ایک نازب، اسیں، غارت گریبان و دیں، جو وہ پندرہ کا سن و سال، قیامت کی چال و حال، قوم سے کشمیری برہمن اپنی بیویوں کے جلو میں آفتاب ملتا اب کی طرح نظر کو خیرہ کرتی ہوئی ہمارے سامنے آگئی۔ نظر چارہ ہوتے ہی ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ مگر ابھی اتنی عقل باقی تھی کہ ہم نے مسجد کے آسے کہہ دیا کہ ہمارے بھائی آئیں یا کھانا بھجوائیں تو تم ان سے یہ کہہ دینا کہ ہم چلتے ہیں بیٹھے ہیں اور سب سامان مجھ کو دے دیا ہے جس وقت ضرورت ہوگی میں کھانا تیار کر کے دے دوں گا۔ ملا کو یہ بات سمجھا کہ ہم نے حجرہ کا دروازہ بند کر لیا۔ اور اسیں پری رو کا تقویر قائم کر کے عالم خیال میں گم ہو گئے۔ اس عرصہ میں کھانا پینا، نماز و روزہ سب بالائے طاق رکھ دیا۔ آٹھویں دن وہ تقویر ختم ہو کر سامنے آکھڑی ہوئی۔ اسی دن وہ نازبیں دل ربا اپنے شوہر کے ساتھ، تعالیٰ میں شیرینی رکھے مسجد

کے اندر آسجود ہوئی۔ اس نے حجرہ کی زنجیر کھڑکائی۔ کان میں آواز پڑی تو دل نے کہا مطلوب آہنچا۔ ہم نے کنڈی کھول دی۔ وہ دونوں حجرہ کے اندر آگئے۔ دیکھا تو اس کا شوہر بھی حسن و جمال میں بیکتا و بے مثال تھا۔

ہم نے پوچھا: تم دونوں کس لئے آئے ہو؟
بولے: ”ہم کو اولاد کی تمنا ہے۔“

ہم سمجھ گئے کہ یہ سب قسا و حضرت عشق کا ہے ورنہ ابھی تو ان کے دل کیلئے کوٹنے اور سیر تماشا کے ہیں۔ کیسی اولاد اور کیسی تمنا! اس حسین قتال نے ہماری طرف منگنی باندھ لی۔ اس کے شوہر سے ہم نے کہا: ذرا تم باہر جا کر پنجب سر لگا دو۔ ہم کو نہاری بوی سے ایک پردے کی بات پوچھنی ہے۔“

وہ غریب دروازہ بند کر کے باہر ہو گیا۔ اس زمانے میں ہماری عمر پینتالیس سال کا تھی۔ ہم نے اپنے دل سے کہا: ”بولو حضرت! کیا ارادہ ہے۔ اگر اس کو جو رو بنانا چاہتے ہو تو میاں بوی دونوں راضی ہیں اور اگر بہن بنانا چاہتے ہو تو سہرا اپنی ماں اور بہن کو کیوں چھوڑا؟ جس کے لئے آٹھ دن سے بے تابی اور بے قراری تھی، وہ موجود ہے۔ کہہ کر کیا کہتا ہے؟“

دل نے جواب دیا: یہ بھی ایک کیل کیلنا تھا سو کیل چکے ہیں اب کیل تو ہمیش باقی نہیں رہی۔“

اس کے بعد ہم نے اس سے ایک دو باتیں پوچھ کر اس کے خاندان کو بلایا اور ایک تعویذ لکھ کر ان کے حوائے کیا اور کہا ”جاؤ، خدا ماحط!“

ان کے جانے کے بعد خیال آنا کہ عشق ضرور کچھ رنگ لائے گا اور طرب ثانی

کو بھی ستائے گا۔ یہاں سے چل دینا ہی بہتر ہے۔ یہ سوچ کر ہم آدھی رات گزرنے پر وہاں سے چل دیے اور میں کوئس دور جا کر دم لیا۔

دوسرے دن وہ نیک بخت بھی شوہر کے ہمراہ یکے میں سٹی عمر کے وقت اسی مقام پر آ پہنچی۔ بال پریشاں، طبیعت اداس، چہرہ پشیمردہ، دل افسردہ اور یاس زدہ۔ میرے قریب آ کر زار و قطار رو تے ہوئے التجا کی کہ آپ بنارس تشریف لے چلیں۔ جب دونوں نے بہت اصرار کیا تو میں مجبوراً کہتا ہوں کہ ہم یہاں ضروری کام سے آئے ہیں، وہ ہو جائے گا تو ہم دو چار دن میں خود ہی بنارس چلے آئیں گے۔ غرض تسلی و تسخنی دے کر ان کو بند کس کی طرف روانہ کیا اور ہم نے لکھنؤ کی راہ لی۔ نہیں معلوم بعد میں اس پر کیا گزری۔

حضرت غوث علی شاہ کے اس واقعہ میں یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ خیالات مسلسل ایک نقطہ پر مرکوز ہو جائیں یا کر دیئے جائیں تو معمول خواہ ان خیالات سے متفق نہ ہو لیکن وہ حامل کے خیال کی قوت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

امان اللہ بچائی لائبریری

لیٹک نمبر DS/3-4 ہلاک
 ۵ ہاؤسنگ سکیم، جسٹس ہوسٹ
 نام انعامی سکرابی 7806

خیالات کے تبادلہ کا قانون

انسان تین دائروں سے مرکب ہے۔

پہلا دائرہ فرد کا شعور ہے۔

دوسرا دائرہ فرد کا لا شعور اور نوع انسان کا شعور ہے۔

تیسرا دائرہ نوع انسان کا لا شعور اور کائنات کا شعور ہے۔

ایک انسان جس کو ہم فسر دکھاتے دیتے ہیں وہ ان تین دائروں سے مرکب ہے یعنی فرد کا اپنا شعور اور لا شعور، نوع انسان کا شعور، لا شعور اور کائنات کا شعور۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہوئی کہ ایک فرد کے اندر نوع انسان اور کائنات میں موجود ہر مخلوق کی اطلاعات موجود ہیں۔ اور ان اطلاعات کا آپس میں تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ اگر فرد کے ذہن میں جنات اور فرشتوں سے متعلق اطلاعات کار و بدیل نہ ہوتی تو اور جنات کا تذکرہ زیر بحث نہیں آئے گا۔ یہ الفاظ دیگر کائنات اور کائنات میں موجود جتنی بھی مخلوق ہے اس مخلوق کے خیالات کی لہریں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ خیالات کی منتقلی ہی دراصل کسی مخلوق کی پہچان کا ذریعہ بنتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہم بھوک اور پیاس سے اس لئے باخبر ہیں کہ بھوک اور پیاس کی اطلاع ہمارے ذہن پر خیال بن کر دار ہوئی ہے۔ ہم کسی آدمی سے اس لئے متاثر ہوتے ہیں کہ اس آدمی کی شخصیت

وں کے ذریعے ہمارے اندر کام کے بہروں میں جذب ہو جاتی ہے۔ جس حد تک ہم کسی خیال کو قبول یا رد کرتے ہیں اس ہی مناسبت سے ہم کسی فرد سے قریب یا دور ہو جاتے ہیں۔ خیالات کے رد و بدل کا یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو ہم ایک دوسرے کو پہچان نہیں سکیں گے۔ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ ان ہی خیالات کو ہم اپنی زبان میں تو ہم فحیل، تصور اور تفکر وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ تمام مخلوق کی سوچنے کی طرزیں ایک نقطہ مشترک رکھتی ہیں۔ اور یہی نقطہ مشترک ہمیں دوسری مخلوق کی موجودگی کا علم دیتا ہے۔ انسان کا لا شعور کائنات کے دور دراز گوشوں سے سلسل ایک ربط رکھتا ہے کیوں کہ یہ ربط ہر وقت قائم ہے اس لئے ہم اپنے خیالات کو ایک نقطہ پر مرکوز کر کے اس ربط کے ذریعے اپنا پیغام کائنات کے دور دراز گوشوں تک پہنچا سکتے ہیں۔

انسان کو حیوان ناطق کہا جاتا ہے۔ ایسا انسان جو الفاظ کی بہروں کے ذریعے اپنے خیالات دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دوسرے حیوان جن کو حیوان غیر ناطق کہا جاتا ہے اپنے خیالات الفاظ کا سہارا لئے بغیر دوسروں تک منتقل کرتے ہیں اور دوسرے حیوان ان خیالات کو قبول کرتے اور سمجھتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ الفاظ کا سہارا لئے بغیر بھی خیالات اپنے پورے معنی اور غہوم کے ساتھ رد و بدل ہوتے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ دو بیل، دو بکریاں یا دو کوتر آپس میں باتیں نہیں کرتے یا ایک دوسرے کے جذبات کا انہیں احساس نہیں ہوتا۔ جس طرح ایک انسان الفاظ کے ذریعے اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرتا ہے بالکل اسی طرح الفاظ کا سہارا لئے بغیر دوسرے حیوان اپنے جذبات و احساسات

کا اظہار کرتے ہیں۔ اور سرایت ثانی ان جذبات و احساسات کو پورے معنی کے ساتھ صرف یہ کہ سمجھا ہے بلکہ قبول کرنا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حیوٹی اور حضرت سلیمانؑ کی گفتگو کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ بہت غور طلب ہے۔ حیوٹی نے حضرت سلیمانؑ سے باتیں کیں اور حضرت سلیمانؑ نے اس کی گفتگو کو سمجھا۔ ظاہر ہے کہ حیوٹی نے الفاظ میں گفتگو نہیں کی بلکہ اس کے خیالات کی بہر میں حضرت سلیمانؑ کے ذہن نے قبول کیں اور ان کو سمجھا۔ اس واقعہ میں یہ حکمت ہے کہ خیالات، احساسات، جذبات الفاظ کے بغیر بھی سنے اور سمجھے جاسکتے ہیں۔

شیل سیچی الفاظ کے قانونوں یا نلوں سے مترا ہو کر خیالات منتقل کرنے کا ایک علم ہے۔ ہم اگر حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ کی طرح کسی ایک فرد کو اپنے خیالات کا ہدف بنالیں تو وہ ایک فرد ہمارے خیالات کی بہروں سے متاثر ہو کر وہی کچھ کرنے پر مجبور ہے جو ہم جانتے ہیں۔ اور اگر ہم کائنات کے نقطہ مشترک سے باخبری حاصل کر لیں اور اپنے خیالات اس نقطہ مشترک میں منتقل کر دیں تو کائنات ہمارا خیال قبول کرنے پر مجبور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور ہم نے تمہارے لئے سخن کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں"۔

بات صرف اتنی ہے کہ ہم اس قانون سے واقف ہو جائیں کہ کائنات کی تمام مخلوق کے افراد خیالات کی بہروں کے ذریعے ایک دوسرے سے سلسل اور پیہم ربط رکھتے ہیں۔ اور ہر فرد کے خیالات بہروں کے ذریعے آپس میں تبادلہ ہوتے رہتے ہیں۔ ہم کیوں کہ تبادلاً خیال کے اس قانون سے واقفیت نہیں رکھتے اس لئے خیال ہماری گرفت سے باہر رہتا ہے۔ اور ہم زندگی کا زیادہ حصہ خیالات کی شکست و ریخت

میں گزار دیتے ہیں۔ یہ بات عام طور سے کہی جاتی ہے کہ مٹلاں آدمی کی قوت ارادی (WILL POWER) بہت زیادہ ہے۔ ایسا آدمی عام آدمیوں کی نسبت معاملات زندگی زیادہ بہتر طریقے سے انجام دیتا ہے۔ قوت ارادی سے مراد یہ ہے کہ اس آدمی کے اندر خیالات کی شکست و ریخت بہت کم ہوتی ہے۔ اور ذہن ایک نقطہ پر مرکوز رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے وہ کسی شخص کو زیادہ آسانی سے متاثر کر سکتا ہے۔ جن لوگوں میں قوت ارادی کمزور ہوتی ہے وہ اپنی زندگی کا کوئی خاص نصب العین متعین کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ قوت ارادی کو بروئے کار لانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس بات سے وقوف حاصل کر لیں کہ ہماری پوری زندگی خیال کے گرد گھومتی ہے۔ کائنات اور ہمارے درمیان جو شخصی رشتہ ہے وہ بھی خیال کے اوپر قائم ہے۔

روحانیت میں خیال اس اطلاع کا نام ہے جو ہر آن اور ہر لمحہ ہمیں زندگی سے قریب کرتی ہے۔ پیدائش سے بڑھاپے تک زندگی کے سارے اعمال محض اطلاع کے دوڑ پر رواں دواں ہیں۔ کبھی ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ ہم ایک جگہ ہیں، پھر ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ یہ دور جوانی کا ہے اور پھر یہی اطلاع بڑھاپے کا روپ دھارتی ہے۔ سرور، خشک، تلخ و شیریں حالات سے گزر کر ہم موت سے قریب ہو جاتے ہیں اور ہم یہ جان لیتے ہیں کہ اب اس دنیا سے ہمارا رشتہ منقطع ہو گیا ہے۔

خیال اور زندگی یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ہماری پوری زندگی خیال کے گرد گھومتی ہے اور یہ کہ کائنات اور ہمارے درمیان جو شخصی رشتہ ہے وہ بھی خیال پر قائم ہے۔ اب فردیت اس بات کی ہے کہ دماغ میں خیالات کی اس شکست و ریخت کو کم سے کم کیا جائے اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ دماغ میں شک اور دوسوں کو کم سے کم

جگہ دی جائے۔ یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ قوت ارادی میں کمزوری کی سب سے بڑی وجہ دماغ میں شک کی موجودگی ہے۔ ذہن کو شک سے نجات دلانے کے لئے یہ معلوم ہونا بہت ضروری ہے کہ آخر شک ذہن انسانی میں کیوں کر جنم لیتا ہے۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ دوسروں اور شک کی بنا و ہمس اور یقین پر ہے اور اسی کو مذہب میں شک اور ایمان کہا گیا ہے۔ آدمی زندگی کے تمام مراحل وقت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں طے کرتا ہے یعنی ایک سیکنڈ کا کوئی ٹکڑا (FRACTION) خواہ اس کی زندگی تو بے بس کیوں نہ ہو لیکن وہ ان ہی ٹکڑوں میں تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ غریب امر یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے ذہن میں وقت کے یہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جوڑتا ہے اور ان ہی ٹکڑوں سے کام لیتا ہے۔ ہم یا تو وقت کے اس ٹکڑے سے آگے

دوسرے مسلسل ٹکڑے پر آ جاتے ہیں یا وقت کے اس ٹکڑے سے پلٹے ہیں۔ اس کو اس طرح سمجھنا چاہئے کہ آدمی ابھی سوچتا ہے کہ میں کھانا کھاؤں گا لیکن اس کے ہیٹ میں گرانی ہے۔ اس لئے وہ یہ ارادہ ترک کر دیتا ہے۔ وہ کب تک اس ترک پر قائم رہے گا اس کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں۔ علیٰ خلاقیت اس کی زندگی کے اجزائے ترکیبی یہی افکار ہیں جو اسے ناکام یا کامیاب بناتے ہیں۔ ابھی وہ ایک ارادہ کرتا ہے پھر اسے ترک کر دیتا ہے۔ چاہے غلوں میں ترک کرتا ہے، چاہے گفتگوں میں، چاہے مہینوں میں، چاہے سالوں میں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ "ترک" آدمی کی زندگی کا جزو اعظم ہے۔

بہت سی باتیں ہیں جن کو وہ دشواری، مشکل، پریشانی، بیماری، بے زاری، بے علی، بے یقینی وغیرہ وغیرہ کہتا ہے۔ اب دوسری طرف وہ ایک چیز کا نام رکھتا ہے سکون۔ یہی وہ سکون ہے جس میں وہ ہر قسم کی آسائیاں تلاش کرتا ہے۔ ہم یہ نہیں

کہنے کے لیے سب حقیقی ہیں بلکہ ان میں زیادہ تر مفروضات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں جو انسان کو آسان معلوم ہوتی ہیں۔ اور یہی رجحان ہے جو آسانیوں کی طرف مائل کرتا ہے۔ دراصل انسان کے دماغ کی ساخت ہی ایسی ہے کہ وہ آسانیوں کی طرف دوڑتا ہے اور ہر مشکل سے بھاگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دو سمتیں ہیں اور ان سمتوں میں آدمی انکار کے ذریعے سفر کرتا ہے۔ اس کی ہر حرکت کا منبع ان دو سمتوں میں سے ایک سمت ہے۔ ہوتا ہے کہ ابھی ہم نے ایک تدبیر کی۔ اس وقت جب ہم اس تدبیر کی تنظیم کر رہے تھے وہ ہر طرح نکل سکتی اور اس کی سمت صحیح تھی لیکن صرف چند قدم چلنے کے بعد ہمارے ذہن میں تبدیلی ہوئی۔ تبدیلی ہونے ہی انکار کا رخ بدل گیا۔ نتیجہ میں سمت بھی تبدیل ہو گئی۔ اب ہم جس منزل کی طرف رواں دواں تھے وہ منزل غیب میں چلا گئی۔ اور ہمارے پاس باقی کیا رہا؟ — ٹوٹنا اور ٹوٹ کر دم اٹھانا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک کروڑ آدمیوں میں صرف ایک آدمی ایک قدم اٹھاتا ہے جو صحیح سمت میں اٹھتا ہے۔ اور بچے نہیں ہٹتا۔ واضح رہے کہ یہ تذکرہ یقین اور شک کی حد میں الٹی راہوں کا ہے۔ اب یہی فکر کی بات، تو اس کے دماغ کا خود وہم اور شک پر ہے۔ یہی وہ وہم اور شک ہے جو اس کے دماغ کے خلیوں میں ہر وقت عمل کرتا رہتا ہے جس قدر اس شک کی زیادتی ہوگی اسی قدر دماغی خلیوں (cells) میں ٹوٹ پھوٹ واقع ہوگا۔ یہاں یہ تباہیت فروری ہے کہ یہی وہ دماغی خلیے ہیں جن کے زیر اثر تمام اعصاب کام کرتے ہیں۔ اور اعصاب کی تحریکات ہی زندگی ہیں۔ کسی چیز پر انسان کا یقین کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ فریب کو جھٹلانا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ انسان جو کچھ ہے خود کو اس کے خلات پیش کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی کمزوریوں کو چھپاتا ہے اور ان کی جگہ مفر صفت خوبیاں بیان

کرتا ہے جو اس کے اندر موجود نہیں ہیں۔

آدمی جس معاشرے میں تربیت پا کر جوان ہوتا ہے وہ معاشرہ اس کا عقیدہ بن جاتا ہے۔ اس کا ذہن اس قابل نہیں رہتا کہ اس عقیدے کا تجزیہ کر سکے چنانچہ وہ عقیدہ یقین کا مقام حاصل کر لیتا ہے حالانکہ وہ محض فریب ہے۔ اس کی بڑی وجہ ہم بنا چکے ہیں کہ آدمی جو کچھ خود کو نظر آتا ہے حقیقتاً وہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

اس قسم کی زندگی گزارنے میں اُسے بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں، ایسی شکایات جن کا حل اس کے پاس نہیں ہے۔ اب قدم قدم پر اُسے خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا عمل تلف ہو جائے گا۔ اور بے نتیجہ ثابت ہوگا۔ بعض اوقات پر شک یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی زندگی تلف ہو رہی ہے۔ اور اگر تلف نہیں ہو رہی ہے تو سخت خطرے میں ہے۔ اور یہ سب کچھ ان دماغی خلیوں کی وجہ سے ہے جن میں تیزی سے ٹوٹ پھوٹ واقع ہو رہا ہے۔

جب آدمی کی زندگی وہ نہیں ہے جسے وہ گزار رہا ہے، جسے وہ پیش کر رہا ہے جس پر اس کا عمل ہے اور وہ اس عمل سے وہ نتانگ برآمد کرنا چاہتا ہے جو اس کے حسب خواہ ہوں لیکن دماغی خلیوں کی تیزی سے ٹوٹ پھوٹ اور رد و بدل قدم قدم پر اس کے عملی راستوں کو بدلتی رہتی ہے۔ اور وہ یا تو بے نتیجہ ثابت ہوتے ہیں یا ان سے نقصان پہنچتا ہے۔ یا ایسا شک پیدا ہوتا ہے جو قدم اٹھانے میں رکاوٹ بنتا ہے۔ آدمی کے دماغ کی ساخت دراصل اس کے اختیار میں ہے۔ ساخت سے مراد دماغی خلیوں میں تیزی سے ٹوٹ پھوٹ، اعتدال میں ٹوٹ پھوٹ یا کم ٹوٹ

پھوٹ ہونا ہے۔ یہ محض اتفاقہ امر ہے کہ دائمی خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ کم سے کم ہو۔ جس کی وجہ سے وہ شک سے محفوظ رہتا ہے لیکن جس قدر شک اور بے یقینی و مانع ہیں کم ہوں گی اسی مناسبت سے آدمی کی زندگی کا یہاب گزرے گی۔ اور جس مناسبت سے بے یقینی اور شک زیادہ ہوگا، زندگی ناکامیوں میں بسر ہوگی۔

آدمی کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے علوم کو خود ساختہ اور غلط خیالوں پر پرکھا اور ان سے انکاری ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر علم کی بنیاد روشنی کو قرار دیا ہے۔ یہ بات قرآن پاک کی آیتوں میں تصریح کرنے سے سمجھ میں آتی ہے (رسم پچھلے صفحات میں یہ بتا چکے ہیں کہ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں)۔ آدمی کو چاہئے یہ سمجھنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روشنیوں کی قسمیں اور روشنیوں کا طیف مطالعہ کرنا لیکن اس نے کبھی اس طرف توجہ نہیں کی اور یہ چیز ہمیشہ پردے میں رہی۔ آدمی نے اس پردے میں جھانکنے کی کوشش اس لئے نہیں کی کہ بتاؤ اس کے سامنے روشنیوں کا کوئی پردہ موجود ہی نہیں تھا یا اس نے روشنیوں کے پردے کی طرف کبھی توجہ ہی نہیں کی۔ وہ یہ قاعدے معلوم کرنے کی طرف توجہ ہی نہیں ہوا جو روشنیوں کے خلاف ملامت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر آدمی یہ طرز عمل اختیار کرتا تو اس کے دائمی خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ کم سے کم ہو سکتی تھی۔ اس حالت میں وہ زیادہ سے زیادہ یقین کی طرف قدم اٹھاتا اور شک کے لئے آواز زیادہ پریشان نہ کرتے جتنا کہ اب اسے پریشان کئے ہوئے ہیں۔ اس کی تحسیر کات میں جو عملی رکاوٹیں واقع ہوتی ہیں وہ کم سے کم ہوتیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس نے روشنیوں کی قسمیں معلوم نہیں کیں نہ روشنیوں کی طبیعت کا حال معلوم کرنے کی کوشش کی۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ روشنیوں بھی طبیعت اور ماہیت رکھتی ہیں اور روشنیوں میں رجحانات بھی موجود ہیں۔ اسے یہ بھی نہیں

معلوم کہ روشنیوں ہی اس کی زندگی ہیں اور اس کی حفاظت کرتی ہیں۔ وہ صرف مٹی کے پستلے سے واقف ہے۔ اس پستلے سے جس کے اندر اس کی اپنی کوئی زندگی موجود نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ مٹی ہوئی مٹی سے بنایا گیا ہے۔ اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ وہ کھنی مٹی (خلائ) ہے۔ اس کے اندر اپنی ذاتی کوئی حقیقت موجود نہیں ہے۔ حقیقت تو اللہ تعالیٰ نے پھونکی ہے۔

روشنیوں کے عمل سے ناواقفیت اللہ تعالیٰ کے اس بیان سے خوف کرتی ہے۔ جہاں تک اخراجات واقع ہوتا ہے وہاں تک شک اور دھم بڑھتا ہے۔ ایمان اور یقین ٹوٹ جاتے ہیں۔

یاد رکھئے روحانیت اور دیگر نام مخفی علوم میں بشمول یقینی یقین کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کیونکہ ہر ارادے اور ہر عمل کے ساتھ یقین کی روشنیوں بھی کام کرتی ہیں۔ اگر یقین کی ان روشنیوں کو الگ کر دیا جائے تو ہر عمل اور ہر حرکت لایعنی ہو کر رہ جائے گی۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جب تک ارادے میں یقین کی روشنیوں شامل نہ ہوں اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ ماہرین روحانیت یقین کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

”یقین وہ عقیدہ ہے جس میں شک نہ ہو“

ارادہ یا یقین کی کڑی دراصل شک کی وجہ سے جنم لیتی ہے۔ جب تک خیالات میں تدبیر ہے گا یقین میں کبھی بھی پختگی نہیں آئے گی۔ مظاہر اپنے وجود کے لئے یقین کے پابند ہیں کیونکہ کوئی خیال یقین کی روشنیوں حاصل کر کے ہی ظاہر ہوتا ہے۔

ماہرین نفسیات نے جو مشقیں قویہ ارادی کو تقویت پہنچانے کے لئے مرتب کی ہیں ان سب کا شمار دراصل یقین کو بخیر کرنا ہوتا ہے۔

از نکاح توجہ | شک اور یقین کا درمیانی فاصلہ تسو سال پر مشتمل ہے اور ہر فاصلہ زیادہ سے زیادہ ایک تالیف کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو خود حل کر دیتا ہے "لاریب ہے یہ کتاب اور اس کو ہدایت دیتی ہے جس کا یقین غیب پر ہے" یہاں اللہ تعالیٰ نے دو باتیں کہی ہیں۔ "لاریب" کہہ کر ریب یعنی شک کی نفی کر دی، اب معرفت غیب بانی رہ گیا جس کو یقین کا درجہ حاصل ہے۔ اس کے معنی یہ ہونے کہ اللہ تعالیٰ دماغ میں شک کو جگہ دینے کی اجازت نہیں دیتے۔ صرف یقین کو اس بات کی اجازت ہے کہ آدمی کے ذہن میں داخل ہو جائے۔ اسی کا نام ایمان بالغیب ہے جو ہدایت دیتا ہے۔ ہدایت کا نشانہ بہت اہم ہے۔ وہ یہ کہ کوئی چیز کسی آدمی نے خواہ نہ دیکھی ہو، نہ سیکھی ہو، نہ جانی ہو، نہ پہچانی ہو مگر اس پر یقین حاصل ہو۔ یہاں ہدایت کی ایک کائنات بن جاتی ہے۔ اور یہ سلسلہ آنکھوں کے سامنے سے آدمی کے چاروں طرف سے اُسے محیط کر لیتا ہے۔

مسلل از نکاح توجہ اور شوق سے کسی ایک لفظ پر خیالات کی روشنیوں اس حد تک مرکوز رہی کہ شک اور بے یقینی یقین کی روشنیوں کا درجہ حاصل کر لیں تو خیال اور ارادہ کے تحت اس کا منظر بننا ضروری ہو جاتا ہے۔ حضرت غوث علی شاہؒ کے واقعہ میں از نکاح توجہ سے یقین کا اعلیٰ منظر ابھر آپ پڑھ چکے ہیں۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے۔

ایک نائی گری تاجسہر کی بیٹی جب پندرہ سولہ کے سن کو پہنچی تو اس کے ساتھ جمہرات کی رات کو عجیب واقعہ ہوا۔ وہ سو کر اٹھی تو اس کے ہاتھ ہندی سے رنگے ہوئے تھے۔ جیسے ہی سورج نصف النہار کو پہنچا اس پر اچانک بے ہوشی کا دورہ پڑا

اور اس کے بعد سے ہر جمعرات کو وہ وقت مقررہ پر بے ہوش ہونے لگی۔ ڈاکٹروں نے ہسپتال کا علاج کیا لیکن جب کوئی فائدہ نہیں ہوا تو عامل حضرات کے پاس لے جایا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ لڑکی کے اوپر جن یا آسیب کا اثر ہے۔ تو وہ گنڈوں، جھوٹے پھونک اور نیلے جلانے سے بھی مقصد حاصل نہیں ہوا تو حاذق حکیموں سے رجوع کیا گیا اور مسلسل چار سال تک علاج ہوتا رہا۔ پھر یہ ہونے لگا کہ جس روز لڑکی پر ہوشی کا دورہ پڑتا اس روز وہ بہت خوش اور مسودہ نظر آتی۔ نیند سے بیدار ہو کر غسل کرتی، ریشمی جوڑا زیب تن کرتی، خوب بناؤ سنگھار کرتی، آنکھوں میں کاجل لگاتی اور چہرے پر فائزہ ملتی۔ اس کے لباس سے بھٹی بھٹی خوشبو پھوٹی رہتی اور حُسن ایسا نکھر آتا جو کسی نئی نویلی دہن کے چہرے پر جیا اور اسودگی کی نشان دہی کرتا ہے۔ جب کوئی اس اہتمام کا سبب پوچھتا تو جی ایک سر جی اس کے چہرے پر کھج جاتی اور وہ زیر لب صرف اتنا بتاتی "وہ آرہے ہیں۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو وہ ناراض ہو جائیں گے۔" سنگھار کے بعد وہ اپنے کمرے میں جاتی اور کمرے میں ہر چیز فریضے سے جاکر بہتر پر بیٹھ جاتی جیسے کسی کے انتظار میں ہو۔ ٹھیک سوزج کے زوال کے وقت اس پر بے خودی کا دورہ پڑتا جو رات گئے تک جاری رہتا۔

ڈاکٹروں اور حکیموں کا ایک بورڈ میٹا اور سب نے متفقہ فیصلہ دیا کہ لڑکی کی شادی کر دی جائے تو ہسپتال کے دوسرے ختم ہو جائیں گے۔ لڑکی کو جب معلوم ہوا تو اس نے شدید مخالفت کی۔ لیکن ماں نے اس کی مخالفت کی پرواہ نہیں کی اور خاندان کے ایک صحت مند نوجوان سے شادی کر دی گئی۔ شادی کے دوسرے ہی روز لڑکی نے اپنے شوہر کو سخت دُست کہہ کر اپنے کمرے سے باہر نکال دیا۔ اور ساتھ ہی

یہ بھی کہا کہ اگر آئندہ اس کے پاس آنے کی جرأت کی تو وہ اس کا "راز" فاش کر دیگی۔
 اور وہ خاندان میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ بڑے بوڑھوں نے صلح معافی
 کی کوشش کی اور جب مسئلے کا کوئی حل سامنے نہیں آیا تو عزت بچانے کی خاطر عدالت سے
 رجوع کرنا چاہا لیکن لڑکے نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ اور جوی کو طلاق دے
 دی۔ دونوں خاندانوں میں لڑائی جھگڑے کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ جب خاندان
 کے بڑے بوڑھے اکٹھے ہوئے اور لڑکے کو بلایا گیا تو اس نے کہا: "سچ بات یہ ہے کہ
 اس کے سامنے جاتے ہی میری ساری طاقت سلب ہو جاتی ہے۔ لڑکے کے بیان کو سب
 نے غلط جانا اور اس پر لعن طعن کرنے لگے۔ اور بالآخر اس نے دوسرے دن خودکشی کر لی۔
 تاجر نے بہت کوشش کی کہ بیٹی کی دوسری شادی ہو جائے مگر جب کسی طرح بھی
 کامیابی نہیں ہوئی تو دوبارہ علان کی طرف متوجہ ہوا۔ کسی دوست نے ایک حکیم صاحب کا
 تذکرہ کیا جو کئی سو سال کے فاصلے پر کسی گاؤں میں مطلب کرتے تھے۔ خدا نے ان کے ہاتھ
 میں اتنی شفا دی تھی کہ دور دراز سے لوگ آتے تھے اور شفا یاب ہو کر جاتے تھے۔ وہ
 کسی سے کوئی معاوضہ بھی نہیں لیتے تھے۔

پروگرام یہ بنا کہ جمعہ کے دن مریض کو ساتھ لے کر روانہ ہوں اور چار روز کے اندر
 مذکورہ گاؤں پہنچ جائیں تاکہ جمعرات کو بے ہوشی کا دورہ حکیم صاحب خود اپنی آنکھوں سے
 دیکھ لیں۔ اس طرح مرض کی تشخیص میں آسانی ہوگی۔

گاؤں پہنچے تو حکیم صاحب کے مطلب کے سامنے مریضوں کا ہجوم تھا۔ دریافت
 کرنے پر معلوم ہوا آج اور کل حکیم صاحب کمرے میں بند ہو کر عبادت کرتے ہیں اور وہ
 پرسوں جمعہ کے روز ملاقات کریں گے۔ دوسرے دن لڑکی کے اوپر معمول کے مطابق دورہ

پڑا اور رات گئے حالت سنبھلی۔

تاجر کو لوگوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکیم صاحب نے ادھیڑ عمر ہونے کے باوجود
 شادی نہیں کی ہے۔ جب کوئی ان سے شادی کا تذکرہ کرتا ہے تو وہ عموماً تال جاتے ہیں۔
 جب زیادہ اصرار ہوتا ہے تو کہتے ہیں میری شادی ہو چکی ہے۔ اور کمرہ میں لٹکے ہوئے
 ایک نوٹ کی جانب اشارہ کر کے کہتے ہیں یہ تصویر جو آپ دیکھ رہے ہیں میری بیوی کی تصویر
 ہے۔ لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ بدھ اور جمعرات کو حکیم صاحب اپنے دوسرے کمرے میں
 اندر سے دروازہ بند کر کے عبادت کرتے ہیں۔ اور ان دو دنوں میں وہ کسی سے ملاقات
 نہیں کرتے۔ یہ بات اب ان کا معمول بن گئی ہے۔

قصہ کوتاہ، تیسرے دن جمعہ کو تاجر صبح سویرے ہی قطار میں جا بیٹھا تاکہ جلدی
 جلدی باری آجائے۔ گھڑی نے آٹھ بجائے، پھر نو بجے لیکن دروازہ نہ کھلا۔ اب لوگوں
 نے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ لیکن کمرے کے اندر سے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ اس
 طرح انتظار کرتے کرتے شام ہو گئی۔ لیکن دروازہ نہ کھلتا تھا، نہ کھلا۔ یہ دیکھ کر حکیم صاحب
 کے گاؤں کے معزز لوگ جمع ہو گئے۔ ہر شخص پریشان تھا کیوں کہ آٹھ سال میں کبھی ایسا
 نہیں ہوا تھا کہ حکیم صاحب جمعہ کے دن بھی کمرہ بند کر کے عبادت کریں۔ جمعہ کے روز تو وہ
 نماز جمعہ باجماعت ادا کرنے کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ جب شام تک دروازہ نہ کھلا
 تو گاؤں والوں کو یقین ہو گیا کہ حکیم صاحب کمرے میں کسی حادثہ کا شکار ہو گئے ہیں۔ آخر
 دروازہ توڑنے کا فیصلہ کیا گیا۔ پھر یہ خیال کر کے کہ شاید وہ عبادت میں مصروف ہوں
 ایک دن مزید انتظار کیا گیا۔ لوگ ہفتہ کے دن تالا توڑ کر اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ
 کمرہ خالی ہے۔ اور کمرے کا قہقی دروازہ کھلا ہوا ہے۔ کمرے کا سامان جوں کا توں موجود

تھا۔ البتہ ان کی بیگم کی تصویر نیچے چاندنی کے فرش پر پڑی تھی۔ جب اسے اٹھایا گیا تو نیچے سے ایک لغافہ نکلا جس پر تجسیر تھا کہ اس لغافہ کو ان صاحب کے سپرد کر دیا جائے جو صوبہ بہار سے اپنی لڑکی ساتھ لائے ہیں۔ تاہم نے جب یہ لغافہ چاک کیا تو اندر سے ایک خط برآمد ہوا جس پر لکھا ہوا تھا "میں نے آپ کی لڑکی کو جوہر کے دن طلاق دے دی ہے۔ اب وہ کبھی بے ہوش نہیں ہوگی۔ بہتر ہے آپ آج ہی پٹنہ لوٹ جائیں۔ یہاں کے قبائل میں آپ کو پریشانی ہوگی۔ جاسے وقت اپنی صاحب زادی کی تصویر بھی لیتے جائیں۔" تصویر دیکھی تو انہیں سخت چرت ہوئی۔ یہ ان کی لڑکی کی تصویر تھی۔ گھاؤں والے بھی حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ہر شخص ایک دوسرے سے سوال کرتا مگر جواب کسی کے پاس نہ تھا۔ تاہم اپنی بیٹی کی تصویر اور بیٹی کو لے کر گھر لوٹ گئے۔ اس کے بعد ان کی بیٹی پر کبھی بے ہوشی کا دورہ نہیں پڑا۔

تیلی پیتی کی پہلا سبق

حضرت غوث علی شاہؒ اور بزرگوں سے سنے ہوئے واقعات پر غور کرنے سے ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ خیالات منتقل کرنے کے لئے مسلسل کسی ایک نقطہ پر توجہ کا مرکز ہونا ضروری ہے۔ لیکن اگر ذہنی یکسوئی حاصل نہ ہو تو توجہ کسی ایک نقطہ پر قائم نہیں رہتی۔ ٹیلی پیتی سیکھنے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہمارا ذہن ہر روز لاکھوں خیالات سے بجات حاصل کر کے صرف ایک خیال کو اپنا ہدف بنائے۔ اور ایک سو ہو جائے۔ ایک سوئی حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل عمل تلقین کیا جاتا ہے۔

صبح سویرن بٹکنے سے قبل اور رات کو سوتے وقت آلتی پالتی مار کر شمال رخ منہ کر کے بیٹھ جائیں۔

- ۱۔ داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے دائیں نتھنے کو اوپر کی طرف سے بند کر لیں۔
- ۲۔ بائیں نتھنے سے پانچ سینکڑ تک سانس اندر کھینچیں۔
- ۳۔ داہنے نتھنے پر سے انگوٹھا ہٹائیں اور دائیں چھنگلی سے بائیں طرف کے نتھنے کو بند کر لیں۔

۴۔ پانچ سینکڑ تک سانس کو روک لیں۔

۵۔ داہنے نتھنے سے سانس کو پانچ سینکڑ تک باہر نکالیں۔

۶۔ دوبارہ داہنے ہی نتھنے سے سانس پانچ سینکڑ تک اندر کھینچیں۔

۷۔ اب چنگیلا ہٹا کر دوبارہ داسنے انگوٹھے سے دابنا متنا حسب سابق
بت کر لیں اور سانس کو پانچ سیکنڈ تک روکے رکھیں۔ پھر پائیں نتھنے سے سانس کو
آہستہ آہستہ نکالیں۔

یہ ایک جگہ ہوا۔ اسی طرح سے پانچ مرتبہ اس عمل کو دہرائیں۔ سانس کی مشق کرنے
سے پہلے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیں۔ جسم میں کسی قسم کا تڑپ نہیں ہونا چاہیے۔ ریڑھ کی ہڈی اور
گردن کو ایک سیدھ میں رکھیں۔ سانس کا عمل کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری
ہے کہ پیٹ خالی ہو۔ جس جگہ مشق کی جائے وہاں تازہ ہوا گزرتی رہے تاکہ پیٹ پر طے
کافی مقدار میں آکسیجن جذب کر سکیں۔ سردی کے زمانے میں عمل تنفس کے دوران کمرے
کے دروازے اور کھڑکیاں کھلی رکھیں۔ میٹھی اور کٹھی چیزیں کم سے کم استعمال کریں۔ ایک
ڈاکٹر کی میٹھانہ پیش آنے والے واقعات لکھتے رہیں۔

شیلٹی پیٹی کا طالب علم اگر ہر وقت باطنور رہے اور اپنا زیادہ تر وقت تاریکی میں
گزارے تو اثرات بہت جلد مرتب ہوتے ہیں۔

رات کا کھانا مغرب کے وقت آدھا پیٹ کھائیں۔ کھانے کے کم سے کم ڈھائی
گھنٹے بعد (زیادہ وقفہ گزر جائے تو اور اچھا ہے) سونے سے پہلے پانچ مرتبہ مند جبلا
یک سوئی حاصل کرنے والا عمل کریں۔ پھر منکھیں بت کر لیں اور یہ تصور کریں کہ نور کا ایک
دریا ہے۔ صاحب مشق اور ساری دنیا اس نور میں ڈوبی ہوئی ہے۔ یہ تصور اندازہ
سے آدھے گھنٹے تک قائم کریں۔ اگر اندر ادھر کے خیالات آئیں تو اس کی پرواہ نہ کریں
اور نہ ہی انہیں روک دینے کی کوشش کریں۔ خیالات آتے رہیں گے اور ان خود گزرتے رہیں گے۔ آپ
پہلا عمل جاری رکھیں۔ اس مرحلے کے بعد کوئی دوسرا زیادتی کام کریں اور اسی تصور میں سو جائیں۔

مٹھاس اور نمک

سوال ہے کہ مٹھاس کے ترک یا کمی سے انسان کے اندر کیا تبدیلی پیدا
ہوتی ہے؟

ہم بتا چکے ہیں کہ انسان کے اندر ہر وقت دو مائے کام کرتے ہیں۔ ایک
دماغ شعوری حواس بناتا ہے۔ ایسے حواس جو TIME AND SPACE میں
جکڑے ہوئے ہیں۔ دوسرا دماغ انسانی کالاشور ہے اور ایسے حواس بناتا ہے جو ٹائم
اور اسپیس سے آزاد ہیں۔ مٹھاس کے اندر کام کرنے والی مقدار میں کشش ثقل پیدا
کرتی ہیں اور نمک جن مقداروں سے مرکب ہے وہ مقدار میں لاشوری حواس کو
متحرک کرتی ہیں۔ تجربے میں یہ بات آئی ہے کہ جو لوگ مٹھاس کی نسبت نمک زیادہ
استعمال کرتے ہیں ان کے اندر لاشوری تحریکات زیادہ سرگرم عمل رہتی ہیں۔

مجھے جب یہ قانون معلوم ہوا تو ذہن میں یہ بات آئی کہ اس قانون پر عمل کر کے
تجربہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے میٹھی چیزیں کھانا بالکل چھوڑ دیں۔ دو تین ہفتے طبیعت
کے اندر سخت اضمحلال واقع ہوتا رہا۔ چند ہفتوں کے بعد طبیعت عادی ہو گئی۔ اضمحلال
تو کم ہو گیا لیکن طبیعت بے کیفیت رہنے لگی اور مزاج میں جیسے پڑپن آ گیا۔ دو مہینے
کے بعد پہلی بار یہ محسوس ہوا کہ جسم لطیف اور ہلکا ہے۔ یہ بات واضح کر دینا ضروری

ہے کہ میں مٹھاس کے ترک کے ساتھ ساتھ ذہنی طور پر یکسو ہونے کی شق بھی کرتا رہا۔
 مٹھاس کے ترک سے جب خون میں نمک کی مقدار کا اضافہ ہوا تو پہلی مرتبہ
 دیوار میں کاغذ کی بنی ہوئی نظر آئیں۔ اور زیادہ گہرائی پیدا ہوئی تو مکانیت (SPACE)
 ٹوٹنے لگا۔ بے خیالی کے عالم میں کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ذہن نے کر دٹ بدلی اور یہ
 دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ فرش اور چھت کا فاصلہ فی الواقع کوئی فاصلہ نہیں ہے۔
 میں نے جب چھت کو چھونا چاہا تو چھت مجھ سے اتنے قریب آگئی کہ میں نے اُسے
 آسانی سے چھو لیا۔ یعنی چھت اور فرش کا درمیانی فاصلہ ختم ہو گیا۔ مٹھاس چھوٹے
 ہوئے جب تین ماہ گزرے تو خوابوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایسے
 خواب جن کی تعبیر صبح بیدار ہونے کے بعد سامنے آجاتی تھی۔

میں نے دیکھا کہ میری بہن بیمار ہے اور سخت کرب کے عالم میں بے چین
 ہے۔ صبح بیدار ہونے کے بعد مجھے اس بات پر اس لئے تعجب ہوا کہ میں رات کو
 بہن کے پاس سے آیا تھا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں تھی۔ کچھ دیر گزرنے کے
 بعد اطلاع ملی کہ بہن کی طبیعت رات اچانک اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ ڈاکٹر نے
 اسپتال میں داخل ہونے کا مشورہ دیا ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد خواب میں نظر آیا کہ میرے ایک عزیز دوست کا خط آیا ہے
 ابھی خط میں کھولنے بھی نہ پایا تھا کہ میری نظر کسی ریلوے اسٹیشن پر پڑی جہاں لوگ
 اپنے عزیز واقربا کو خوش آمدید کہنے کے لئے جمع ہیں۔ ریل پلیٹ فارم پر آئی تو میں
 بھی دوسرے لوگوں کی طرح ایک ڈبے سے دوسرے ڈبے میں کسی کو تلاش کرتا
 پھر رہا ہوں اور اسی عالم میں میری آنکھ کھل گئی۔ اگلے روز صبح گیارہ بجے مجھے ایک

تار ملا کہ میرے دوست کو اچھا آگے ہے مٹھا۔ جب کہ میں سال کے عرصے میں اس عزیز
 دوست سے نہ کبھی ملاقات ہوئی اور نہ خط و کتابت کا سلسلہ قائم رہا تھا۔

پھر یہ خواب عام تصورات اور عام خیالات سے ہٹ کر اس طرح جلوہ افروز
 ہوئے کہ میں خود کو ہواؤں میں محو پرواز دیکھنے لگا۔ اڑنے کی صورت یہ ہوتی تھی جیسے
 ہوا میں پرندے اڑتے ہیں۔ لیکن پرندے پروں کو اوپر نیچے کرتے ہیں اور میں پرواز
 کے دوران ہاتھوں کو اونچا نیچا کرتا تھا۔ بعض اوقات اُڑان اتنی اونچی ہو جاتی تھی
 کہ اوپر سے نیچے دیکھنے سے دہشت اور خوف مسلط ہو جاتا تھا۔ پھر ان خوابوں
 نے ایک نیا روپ دھارا وہ یہ کہ دور دراز کی کمپنیز خواب میں نظر آتیں اور
 خواب میں قسم قسم کے لذیذ اور شیریں پھل کھانے کو ملنے اور جب میں بیدار
 ہوتا تو زبان پر ان پھلوں کا ذائقہ اور شیرینی کا احساس موجود ہوتا۔ چھ بیسے تک
 مٹھاس استعمال نہیں کی گئی تو یہ کیفیت وارد ہوئی کہ کھلی آنکھوں سے دور دراز کی
 چیزیں سامنے آنے لگیں۔ مثلاً یہ کہ میرے ایک دوست سوئٹزرلینڈ میں مقیم تھے۔
 بیسے بیسے مجھے ان کا خیال آگیا اور میں نے دیکھا کہ میں سوئٹزرلینڈ میں اپنے دوست
 کے گھر میں موجود ہوں۔ اس کے گھر کا صحن، کمرے اور کمرے کے اندر آرائش کا سامان
 میں نے اس طرح دیکھا جیسے ایک آدمی اپنے گھر کا ڈرائنگ روم دیکھتا ہے۔ دوست
 کے ساتھ گفتگو بھی ہوئی۔ میرے لئے یہ تجربہ بالکل نیا اور انوکھا تھا۔ میں نے اپنے
 دوست کو ایک خط لکھا اور خیالی دنیا میں دیکھے ہوئے گھر کا ایک نقشہ بنایا۔ صحتیختین
 کیں۔ نقشے میں کمروں کی تعداد، صحن کی پیمائش اور
 کی سمت لکھ کر یہ خط انہیں پوسٹ کر دیا۔ میرے دوست نے جواباً اس بات پر بہت

گرفت کم سے کم ہو جائے۔

شیلی میٹھی کی بنیاد ہی یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے خیالات دوسرے آدمی کو بغیر کسی وسیلے کے منتقل کر دے۔ وسیلے سے ہماری مراد یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان جو طبعاً فاصلہ اور وقت یعنی مکانت اور زمانیت واقع ہے وہ ختم ہو جائے۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں خیالات روشنی ہیں، ایسی روشنی جو ٹائم اسپیس سے آزاد ہے کیوں کہ ہمیں اس کی عادت نہیں ہے کہ ہم بغیر وسیلے کے اپنی بات دوسروں تک پہنچائیں۔ اس لئے ہمیں یہ حسیہ حاصل کرنے کے لئے پہلے ذہنی یکسوئی کے ساتھ مشق کرنی پڑتی ہے۔ مشقیں بہت سی ہیں۔ مثلاً شمع مینی، دائرہ مینی، اندھا مینی، انگلی مینی، سورج مینی، چاند مینی، آب مینی، آئینہ مینی وغیرہ۔

آئینہ مینی آئینہ مینی سے متعلق ایک واقعہ شمال کے طور پر پیش خدمت ہے جو جمعہ ۱۴۔ اگست ۱۸۹۶ء کو انگلینڈ کے اخبار "مارٹنگ لیڈر" میں چھپا۔ گزشتہ ماہ ڈیوڈ ٹھاس نامی ایک شخص کی لاش جو کہ لارڈ وینڈسٹر کی جاگیر میں بحیثیت کارپنٹر کام کرتا تھا، کارڈف کے قریب، فرود رانی موضع کے پاس پائی گئی۔ کسی نے اس کو گوگی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ تلاش کے باوجود نہ تو قاتل کا کوئی سراغ مل سکا اور نہ ہی سبب قتل کا علم ہوا۔ تمام شہادتوں کی روش سے ڈیوڈ ایک خاموش مٹا آدمی تھا۔ اُسے سب ہی پسند کرتے تھے۔ اس کے گھریلو تعلقات بھی خوش گوار تھے۔ وہ کارڈنگ شائر کے ایک چھوٹے سے قصبے امیزان کا باشندہ تھا لیکن گزشتہ کئی سال سے گلورگن شائر میں رہ رہا تھا۔ اس نے اکی جگہ ایک معزز خاتون سے شادی کی تھی۔

حیرت کا ابا رکیا کہ آپ کو کیسے پتہ چل گیا کہ میرے گھر کا نقشہ یہ ہے اور وہ EASTOPEN ہے اور اس میں کتنے کمرے ہیں اور ان کمروں میں کس قسم کا فرنیچر ہے۔ انہوں نے لکھا کہ میں نے خط میں لکھی ہوئی ایک ایک بات کو گھر اور گھر میں درائش کے سامان سے موازنہ کیا جو حرف بہ حرف صحیح نکلا۔ انہوں نے لکھا کہ واقعہ یہ ہے کہ اتنی زیادہ تفصیل میں بھی بیان نہیں کر سکتا تھا۔

یہ تھا چھوڑے ہوئے جب نو مہینے گزرے تو دماغ میں مخاطب کے خیالات منتقل ہونے لگے۔ جو کچھ اس کے دماغ میں ہوتا تھا وہ میں من و عن بیان کر دیتا تھا۔

میرے آبا جی مسجد سے ظہر کی نماز پڑھ کر تشریف لائے۔ میں چونکہ نماز ادا کرنے کے لئے مسجد نہیں جاسکا تھا۔ اس لئے انہوں نے مجھے بہت سخت سست کہا۔ میں نے عرض کیا آبا جی معاف کر دیں، آئندہ یہ کو نمازی سرزد نہیں ہوگی۔ لیکن جب وہ مسلسل سرزنش کرتے رہے تو یکایک خیال کی ایک ہوائی اور میں نے دیکھا کہ آبا جی مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں اور بحالت نماز گھر کی چھت کا حساب لگا رہے ہیں کہ اتنے چپے شڑنگ میں خرچ ہوں گے، اتنے لوہے میں لگیں گے، وغیرہ وغیرہ۔ میں نے ان سے نوڈبانہ عرض کیا آبا جی ایسی نماز کا کیا فائدہ جس میں آدمی گھر کی چھت کا حساب لگاتا رہے۔ اس وقت مجھے بہت زیادہ ندامت ہوئی جب آبا جی نے فرمایا کہ واقعہ میں نماز میں حساب لگاتا رہا ہوں۔

یہ چند منٹ الیں اس بات کا تین ثبوت ہیں کہ مٹھاس کا ترک ٹائم اسپیس کی حد بند یوں کو توڑ دیتا ہے۔ ہم نے مشقوں کے دوران میٹھی چیمبروں کے کم سے کم استعمال کا مشورہ اس لئے دیا ہے کہ خیالات کے اوپر سے ٹائم اسپیس کی

چند ماہ قبل اسے فارڈ وڈٹر کی جاگیر میں بڑھئی کی حیثیت سے ملازمت ملی تھی۔ اس نے وہ کارڈٹ سے تھوڑی ہی دور ایک گاؤں سینٹ ہاکاں میں مقیم تھا۔ اسے اس گاؤں میں آئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ ہفت کی رات کو یہ واقعہ پیش آیا۔ حادثے کی رات اس نے اپنا کام وقت سے کچھ دیر پہلے ہی ختم کر دیا تھا تاکہ وہ اپنے کیمین کے آگے اُگی ہوئی گھاس اور جھاڑ جھنکار کاٹ سکے۔

سہ پہر کے وقت جب وہ کام سے بیزار ہو کر کیمین میں گزار اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ وہ بچوں کو باہر غریبے کے لئے بے جائے۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی بیوی نے بھی جو کیمین کے دوسرے حصے میں کام کر رہی تھی، اس پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ تاہم اسے اتنا یاد رہا کہ اس کے شوہر نے اوپر جانے کے بعد ہاتھ منہ دھویا اور کپڑے بدلنے کے بعد بچوں کو ساتھ لئے بغیر ہی چلا گیا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہر اس کی کسی دوست سے ملاقات ہوگئی اور دونوں ٹہلے ہوئے شراب خانے میں پھلے گئے جہاں انہوں نے کچھ بیڑی اور پھر دس بجے شب ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اس وقت تھا مس بہت خوش تھا اور وہ تیزی سے چلتا ہوا گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ سڑک کے ایک منہان مقام پر پہنچا۔ اسی لمحے ایک دوسرے راہ گیر نے پستول چلنے کی آواز اور ایک دردناک چیخ سنی۔ اس راہ گیر کو گولی چلنے کے فوراً بعد ایک ایسا آدمی تیز تیز چلتا ہوا دکھائی دیا جس کے انداز سے پریشانی مترشح تھی۔

اس مقام سے دو سو گز آگے راہ گیر کو سڑک کے کنارے لاش پڑی دکھائی دی۔ جب اس نے لوگوں کو مدد کے لئے پکارا تو معلوم ہوا کہ لاشیں ڈیوڈ تھا جس کی ہے

اسے تقریباً سو گز کے فاصلے سے گولی ماری گئی تھی۔ مگر وہ فوراً ہی نہیں مر گیا۔ بلکہ نہایت کے عالم میں کچھ دور تک دوڑا چلا گیا تھا۔ سڑک پر اتنی دور تک خون کی لیکر صاف دکھائی دے رہی تھی۔

اس قتل اور قاتل کی شناخت کے سلسلے میں "کارڈٹ سائیکو جیکل سائٹی" کہ جانب سے آئینہ بنی کرنے والی ایک ۱۹ سالہ لڑکی نے آئینہ مینی کے ذریعے عجیب و غریب انکشافات کئے۔ کچھ دنوں کے بعد اس لڑکی کو فیرواٹس لے جایا گیا۔ وہ اس سے قبل وہاں کبھی نہیں گئی تھی۔ وہاں جا کر اس نے سابقہ طریقے کے ذریعے قتل سے متعلق تمام تفصیلات بیان کر دیں۔

اس عجیب و غریب واقعہ کی اطلاع اخبار "ویسٹرن میل" والوں کو بھی ہوئی۔ لڑکی کے بیان کو مشکوک سمجھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ اخبار کے دو نمائندوں کی موجودگی میں اس تجربے کو دہرائے۔ لڑکی نے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ چنانچہ ایک رات اس تجربے میں حصہ لینے والے تمام افراد اس شراب خانے کے باہر جمع ہو گئے جہاں مقول ڈیوڈ تھا اس نے اپنی زندگی کا آخری جام پیا تھا۔ شراب خانے سے وہ آئینہ میں لڑکی چل پڑی۔ اس کے ہمراہ ویسٹرن میل کے نمائندے بھی تھے۔ وہ ناموشی سے چلتی رہی تھی کہ ایک جگہ وہ خود ہی بول اٹھی "میں اپنی نگاہوں کے سامنے ایک پستول دیکھ رہی ہوں۔ اس کا ڈرغ میری جانب ہے۔ پستول نیا اور چمک دار ہے۔ اس پستول کا دہانہ کشادہ نظر آ رہا ہے۔ اور نالی میری جانب اٹھی ہوئی ہے۔"

چالیس گز مزید آگے بڑھنے کے بعد لڑکی نے دوبارہ کہا "میں کسی کے قدموں کی چاپ سن رہی ہوں۔ مجھے ایک آدمی دکھائی دے رہا ہے۔"

کہاں؟" نمائندوں نے سوال کیا۔

"بالکل ہمارے سامنے، وہ سڑک کے کنارے لگی ہوئی بارود کے ساتھ ریچنگ رہا ہے۔ غائب! اس کو شش میں ہے کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے۔"

"اس کا حلیہ کیا ہے اور اس نے کیسے کپڑے پہن رکھے ہیں؟"

"آئینہ میں لڑکی ہیں پر اس وقت جذب کی سی کیفیت طاری تھی تیزی سے بولنے لگی اور اچانک اس کے قدموں میں بھی تیزی آگئی۔ اس کے ہمراہ چلنے والے نمائندوں نے اسے باہنوں سے پکڑ کر سہارا دے رکھا تھا۔ اچانک لڑکی نے ایک جھٹکے سے ایک ساٹھی کو آگے دھکیل دیا۔ اس نے جس خیالی شبیہ کو دیکھا تھا اب وہ اس کے تعاقب میں تھی۔ لڑکی کے صحن سے ایک درخشاں شیخہ نکلے۔ ایک اخباری نمائندے نے پلک کر اسے پہنچا دیا۔ ورنہ وہ سڑک کے بل زمین پر گر جاتی۔ یہ واقعہ عین اس جگہ پیش آیا جہاں ڈیوڈ تمنا مس کو پھنسی ہوئی تھی۔"

لڑکی کے صحن سے گرا بننے کی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔ وہ اپنے بازوؤں کو بڑے کرب کے عالم میں موڑ کر پشت کی جانب لے جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اخباری نمائندے نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ کتھول کے نیچے کسی مقام تک پہنچنے کے لئے بے تاب ہیں۔ انہوں نے اس کو مضبوطی سے سہارا دیا اور وہ لڑکھرائی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔

لڑکی کی حالت لمحہ بہ لمحہ نازک ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چڑھ گئی تھیں اور صرف پتیلیاں نظر آ رہی تھیں۔ انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جیسے وہ قریب المرگ ہو۔

"اسے چھوڑ دو۔" ایک اخباری نمائندے نے کہا اور لڑکی کا ہاتھ چھوڑ دیا گیا۔ وہ کراہتی ہوئی زمین پر گر پڑی۔ اس کے گرا بننے سے انتہائی کرب ظاہر ہو رہا تھا۔ اور وہ

مرتے ہوئے کسی جاندار کے سے انداز میں کراہتی ہوئی یوں ساکت ہو گئی جیسے مر چکی ہو۔

"لو دو دوست، تم کون ہو؟" ایک نمائندے نے پتہ انداز بند کیا۔

لڑکی نے بہت دیر ہی آواز میں ایک ایک کر جواب دیا۔ "ڈیوڈ.... تھ.... تھ.... تھ.... تھ.... تھ...."

"تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

"مجھے گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔" لڑکی نے جواب دیا۔ لیکن اس کا لہجہ مردانہ تھا۔ "تمہیں کس نے گولی ماری تھی؟"

لڑکی نے ایک نام بتایا جسے اخباری نمائندوں نے نوٹ کر لیا۔

"اب تم ہم سے کیا چاہتے ہو دوست! ہم کیا کریں؟" سوال کیا گیا۔

"آہستہ آہستہ لڑکی کے سب حرکت کر رہے تھے جیسے وہ انتہائی کرب کے عالم میں بولنے سے قاصر ہونے کے باوجود بولے بغیر زورہ کھیتی ہو۔"

"میں اپنا انتقام لوں گا۔"

"کس سے؟"

"جس نے مجھے گولی مار کر ہلاک کیا ہے۔"

اس گفتگو کے بعد لڑکی نے انہیں آکر قتل کے بارے میں بتایا۔ اس سہول کو برآمد کر لیا گیا جس سے ایک سال قبل ڈیوڈ تمنا مس کو ہلاک کیا گیا تھا۔ اس دوران لڑکی مردہ حالت میں (بظاہر) ٹیلی فون کے ایک کمرے کے قریب بیٹھی رہی۔ رفتہ رفتہ اس کی حالت معمول پر آتی چلی گئی اور پھر کایک وہ چلانے لگی۔ "دیکھو، دیکھو!" اس کا لہجہ انتہائی خوف زدہ تھا۔ "خون دیکھو!"

"کہاں؟"

"یہاں دیکھو! لڑکی جلائی۔ خون، خون کے قطرے۔"

اجاری نمائندوں نے بغور دیکھا لیکن نرسہ مرنے خون کے قطرے انہیں نظر نہیں آئے۔
"مجھے یہاں سے دور لے چلو! لڑکی نے اپنے بوسے وجود سے کانپتے ہوئے کہا۔"

اور پھر یکایک اس کا جسم اڑا گیا۔ اس نے کہا: "وہ ادھر ہے" ایک مرتبہ پھر لڑکی کے
بچے پر شدید نفرت کا غلبہ ہوا۔ اور اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ آنکھوں سے ابھی تک مرنے
جھلک رہی تھی۔

"تم کیا دیکھ رہی ہو؟"

"بھوت" لڑکی نے جواب دیا۔

اس کے فوراً بعد ہی اجاری نمائندوں کی ٹیم وہاں سے واپس آگئی۔ ان میں سے
ہر ایک اپنی اپنی جگہ زود تھا اور ان کے چہرے بے پڑ گئے تھے۔

نظا ہر یہ واقعہ بہت پیچیدہ اور عقل کی حدود سے باہر ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔
آپ ٹیلی ویژن کے اس مضمون میں پڑھ چکے ہیں کہ انسان کے اندر دو دماغ کام کرتے ہیں۔ دماغ
ممبر و جب متحرک ہو کر سامنے آجاتا ہے تو ایسی باتیں سامنے آنے لگتی ہیں جن کی عقل اس
نے تشریح نہیں کر پائی کہ وہ نامعلوم اسپیس کی بندیوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ آئینہ مینی ہو
یا اور کسی قسم کی مشق جو دماغ کو خیالات کے عوم سے نکال کر کسی ایک نقطہ پر مرکوز کرے
اس کے نتائج بھی مرتب ہوتے ہیں کہ نظروں کے سامنے ایسے حالات و واقعات دور
کرنے لگتے ہیں جو نامعلوموں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اسی بات کو مختصر اس طرح کہا
جاسکتا ہے کہ جب خیالات کا عوم ٹوٹ کر صرف اور صرف ایک خیال پر مرکوز ہو جائے تو

انسان کے اندر چھٹی حس اپنی فوری توانائیوں کے ساتھ متحرک ہو جاتی ہے۔

یہ ہم سب کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہماری زندگی کا تار و پود و راسل مختلف انواع
خیالات پر قائم ہے اور نوع انسانی خیالات کے ان ہی چھوٹے بڑے ٹکڑوں پر زندگی
گزارتی ہے۔

مثال:

ہیں بھوک لگتی ہے۔ بھوک کیا ہے؟ جسمانی نشوونما قائم رکھنے کے لئے بھوک
طبیعت کا ایک تقاضہ ہے۔ یہ تقاضہ خیال بن کر ہمارے دماغ پر وارد ہوتا ہے اور ہم
اس خیال کی طاقت کے زیر اثر کچھ نہ کچھ کھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس زندگی
پر تقاضہ اسی قانون کا پابند ہے۔ زندگی میں کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو خیال سے
شروع ہو کر خیال پر ختم نہ ہوتا ہو۔ اعصاب جب مکان محسوس کرتے ہیں تو طبیعت
ہمیں خیال کے ذریعے اس بات سے مطلع کرتی ہے کہ ہمیں آرام کرنا چاہیے اور ہم سو جاتے
ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

پینے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کا نام علم دین ہے۔ دروازہ کھلا چھوڑ کر حجب میں ہنسنے سے واپس کمرے میں آتی ہوں تو آسمان کی طرف دیکھتی ہوں۔ میرے سر کے عین اوپر ایک نہایت روشن ستارہ ہے جو بہت خوب صورت ہے۔ اس کے ارد گرد بال ہیں۔ پہلے تو میں اسے دیکھ کر ڈر جاتی ہوں مگر پھر مطمئن ہو کر اس کی حمد و ثناء میں مشغول ہو جاتی ہوں۔

۱۰۔ جون : آج رات بھی نور کے دریا میں ڈوبنے کا مقصد کرنے کرتے سرگئی۔ خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت باریک پٹی زمین اور آسمان کے درمیان معلق ہے اور یہ زمین سے آسمان کی طرف جانے کا راستہ ہے جو بہت زیادہ روشن ہے۔ میری نظر اس روشن راستہ کو عبور کر کے جب آسمان میں داخل ہوئیں تو میں نے اللہ کی آواز سنی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "تم اس راستے پر زوری راستہ جو زمین و آسمان کے درمیان ہے چلتا جاؤ یعنی ہو تو لوگوں کو نیکی اور ہمدردی کی ہدایت کرو۔"

۱۱۔ جون : مراقبہ نور کے دریا میں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سامنے سے ایک کالی اسکرین ہٹا دی۔ شکاف کے اندر حجب میں نے غور سے دیکھا تو مجھے عجیب عجیب سی چیزیں نظر آئیں مثلاً ایک بہت بڑی میز، بہت خوبصورت اور بڑا سا پیالہ وغیرہ وغیرہ۔

۱۳۔ جون : مراقبہ نور کے دوران یوں محسوس ہوا جیسے میری نظر دروں کے سامنے نور کا ایک عظیم اور لا محدود سمندر ہے جس میں ساری کائنات ڈوبی ہوئی ہے۔ ایسے میں میں نے اپنے آپ کو اندر سے کھوکھلا پایا اور دیکھا کہ میں تو جسم کے نام پر محض ایک باریک سا ورق ہوں۔ یہاں چاہوں، جب چاہوں جا سکتی ہوں۔ لہذا اپنے استاد کے پاس فضائے بسیط میں تیرتے ہوئے جانے کا سوچا۔ خیال کے آنے ہی اپنے آپ کو اڑنا

کیفیت و ادوات

لاہور سے سینہ فاطمہ لکھتی ہیں کہ میں بہت دنوں سے ٹیلی فنی سیکھنے کی خواہشمند تھی۔ روحانی ڈائجسٹ میں ٹیلی فنی کی سہلی مشق لکھ ہوئی تو میرے دل کی مراد پوری ہوئی اور میں نے اللہ کا نام لے کر مشق شروع کر دی۔ مشق کے دوران جو کیفیات مرتب ہوئیں اور جو چیزیں سامنے آئیں ان کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

۹۔ جون : نور کے سمت میں ڈوب جانے کی مشق کر رہی تھی کہ معلوم نہیں کس وقت نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گئی۔ خواب میں دیکھا کہ اللہ کا نور ہے جس کا رنگ مرکری لائٹ (MERCURY LIGHT) کی طرح ہے۔ لیکن اس روشنی میں اتنی زیادہ چمک تھی کہ جب میں نے نظر سمجھ کر دیکھا تو میری آنکھیں چست رہا گئیں۔ اس کے بعد اس مقام کی زیارت کی جہاں شہسود کی رو میں رہتی ہیں۔

بخش کی نماز کے بعد خواب میں دیکھا کہ کافی نسبت لو فان ہے اور میں دروازہ کھڑکیاں بند کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ مگر وہ بند نہیں ہوتیں۔ اتنے میں ایک گوالا آتا ہے اور مجھے خاص طور سے دودھ دیتا ہے جو کہ بہت گاڑھا ہے۔ وہ مجھے یہ دودھ

ہوا محسوس کرنے لگی اور سیرائزخ خود بخود کراچی کی طرف ہوا گیا۔

۱۵۔ جون : نور کے دریا میں عسکر ہو گئی۔ ایک بڑی سی کتاب دیکھی ہوں۔

کھول کر پڑھنی ہوں۔ اس میں فارسی زبان میں کچھ لکھا ہوا ہے۔ اس تحریر کے ساتھ ہی ساتھ اوپر کی طرف پینٹنگز (PAINTINGS) بنی ہوئی ہیں یعنی ہر تصویر کے بارے میں تفصیل درج ہے۔ ایک تصویر دیکھی جو نور کے سمندر کی عکاس ہے۔ نیلی شعاعوں کا بہت بڑا سمندر ہے جو حد نظر تک پھیلا ہوا ہے۔ شعاعوں کی اس قدر زیادتی ہے کہ دیکھ کر خوف آتا ہے۔ سمندر بہت بڑی بڑی ہسروں اور گہرے بادلوں کی صورت میں موجود ہے۔ جب میں دوسرا درق پٹنی ہوں تو ایک پینٹنگ ہے جس میں ایک نہایت ہی گہرے، ہلکے نیلے رنگ کا بہت بڑا سمندر ہے۔ اس کے نیچے ایک بہت باریک مگر نیلگوں سفید روشنی کا راستہ ہے۔ راستہ کے دائیں طرف ایک بہت بڑا درخت ہے۔ راستہ کے اختتام پر ایک نہایت ہی شفیق اور معصوم بزرگ کھڑے ہیں۔ ان کا لباس مرکزی لائٹ جیسا ہے۔ سمندر میں مرکزی روشنی اس قدر ہے کہ میں دوبارہ دیکھنے کی جرأت نہ کر سکی۔ مگر بہت کر کے دیکھا کہ وہ بزرگ راستے کے اختتام پر استقبال کرنے کے لئے کھڑے ہیں۔ ان پر ایک عجیب سی روشنی پڑ رہی ہے جو ان کے پیچھے دیوار میں سے آرہی ہے۔ وہ اس دیوار کو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے سمندر جو کہ بہت ہی گہرے نیلے بادلوں اور مرکزی شعاعوں کا مجموعہ ہے، اس راستے کو ڈبو دے گا۔ اور پھر یوں ان بزرگ کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔ مگر ایہ شے ہے کہ یوں کہ سمندر صرف راستہ تک آتا ہے اور پھر واپس چلا جاتا ہے۔

میں نے جب سے یہ مشقیں شروع کی ہیں نہ جانے کیوں میرے پھر سے پرہیز

سمسکر اسٹ رہتی ہے۔ اس کے علاوہ چہرے پر بربادی آگئی ہے اور اللہ تعالیٰ اس قدر رحمن و رحیم نظر آتا ہے کہ اس کے قہر و جلال کا تصور بہت کم ہو گیا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ میں خاموش رہوں اور اپنے خدا کا تصور کرتی رہوں۔ میرے اندر سے آواز آتی ہے "میری بندہ! میں تیرے پاس ہوں، پر تو مجھ سے ابھی دور ہے۔"

فرشتے

سائیکل سے جناب ممتاز علی لکھتے ہیں کہ پہلے سبق پر عمل کے نتیجے میں مرتب ہونے والی کیفیات پیش کر رہا ہوں۔

رات کو مشق کی اور مشق کے بعد مراقبہ کیا۔ دوران مراقبہ میں نے دیکھا کہ میرا پورا وجود خسر ہوئے کی قاشوں کی طرح کھل گیا ہے اور کچھ لوگ جو غائب فرشتے تھے یا کوئی اور مخلوق تھی، میرے جسم کے اندر سے سیاہ رنگ کے ساپنوں جیسی چیزیں نکال نکال کر پھینک رہے ہیں۔

۱۵۔ جون : نور کے سمندر میں ڈوبنے کی مشق کرنے میں سخت مزاحمت پیش آرہی ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ مجھے جنات پریشان کر رہے ہیں۔ اور میرے اندر گھس کر بیٹھ گئے ہیں۔

۱۶۔ جون : نیم غنودگی کی حالت میں ایک مکان دیکھا جس کا رنگ ہرنبہ اور اس کے اندر ایک نوجوان اور خوب صورت عورت ہل رہی ہے۔ بس ایک لمحہ کی جھلک تھی۔ اس کے بعد منظر نظروں سے غائب ہو گیا۔ دل میں خوشی کی ایک ہراسی کہ کچھ کا میاب ہو رہا ہوں۔ اب کیفیت یہ رہتی ہے کہ دن کے وقت جب

انہیں بند کرتا ہوں تو اپنے آپ کو سمندر میں ڈوبا ہوا محسوس کرتا ہوں۔ جسم میں طاقت اور جھپٹی اور پھر پور قوت اورادی محسوس کر رہا ہوں۔

۱۸۔ جون : خواب میں خود کو ایک سبز رنگ کی دنیا میں دیکھا جہاں کی ہر چیز مکانات، باغات، مرد اور عورتیں غرض کہ اس دنیا کی ہر چیز سبز ہے۔

نیت کی دیوی

نیا از احمد، شیخ پورہ۔

جب کسی ایک نیت سے سانس اندر کو کھینچتا ہوں تو مشکل تین، چار سیکنڈ تک کھینچ سکتا ہوں۔ بائیں نیت کی نسبت دائیں نیت سے سانس لینے میں زیادہ وقت پیش نہیں آتی، حالانکہ سانس باہر خارج کرنے میں پانچ سیکنڈ آسانی سے پورے کر لیتا ہوں اور جب سانس اندر روکتا ہوں تب بھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ میں آسانی سے ۳۰ سیکنڈ تک سانس روک سکتا ہوں لیکن دورانِ مشق پانچ سیکنڈ تک ہی سانس روکتا ہوں۔

"تصور نور" کی مشق مکان کی چھت پر چار پائی پر بیٹھ کر کرتا ہوں۔ پہلے دو تین روز تک تو نور کا کوئی تصور قائم نہیں ہو سکا۔ طرح طرح کے خیالات تنگ کرتے رہے مگر اب خیالات کی شدت میں کمی آگئی ہے۔

۱۴۔ جون : مشق شروع کی۔ حسب معمول خیالات کی فوج ظفر موح نے یقین کر دی۔ میں نے کسی خیال کو نہ تو روکنے کی کوشش کی اور نہ ہی روکیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کوئی بھی خیال جو آتا، فوراً گزر جاتا۔ پھر چپ سیکنڈ، غابا آدو سیکنڈ

تک، نور کی ایک لکیر سی نظر آئی جو ایک طرف سے بائیں اور دوسری طرف سے موٹی تھی۔ اور وہ کسی پہاڑ کی طرف جاتی تھی۔

۱۸۔ جون : میں نے اپنے خود کو ایک سرسبز علاقے میں پایا۔ اور میرے پاؤں کے قریب سے ایک نالی جو روشنی سے بھری ہوئی تھی، اٹھاتے کھیتوں اور باغات سے گزرتی ہوئی ایک پہاڑ کے دامن میں جا کر گم ہو گئی۔

جب میں سانس کی مشق کرتا ہوں تو نیت کی دیوی آدھکتی ہے جو بار بار اصرار کرتی ہے کہ میں اس کی آغوش میں چلا آؤں۔ مگر جب میں آدھکتے کے بعد "تصور نور" میں بیٹھ جاتا ہوں تو نیت کی وہ پیاری دیوی نہیں معلوم کہاں گم ہو جاتی ہے۔

نور میں ڈوبی ہوئی کائنات

کراچی سے ضیہ سلطانہ نے ۲۰۔ جولائی سے ۲۷۔ جولائی تک کی رپورٹ لکھی ہے :

آج سے نور کے سمندر میں غرق ہونے کی مشق شروع کی۔ عشاء کی نماز کے بعد رات گیارہ بجے تصور کیا کہ ساری کائنات نور میں ڈوبی ہوئی ہے اور میں بھی نور کے سمندر میں ہوں۔ مشق شروع کرتے سے قبل پچاس مرتبہ درود شریف اور سو مرتبہ یا سحی یا قیوھ کا ورد کیا۔ تصور تقریباً پندرہ منٹ کا لیکن تصور قائم نہ ہو سکا۔ اور چونکہ کافی خشکی ہوئی تھی اس لئے پندرہ منٹ بعد سو گئی۔

۲۴۔ جولائی : آج میں نے تقریباً بیس منٹ مشق کی۔ مجھے یوں محسوس ہوا

گویا کہیں کہیں سے روشنی کی کرنیں آرہی ہیں۔ کرنیں آنکھ کے دائیں اور بائیں گوشے سے آتی ہوئی محسوس ہوئیں لیکن کسی واضح شکل میں سامنے نہیں آئیں بلکہ تیزی سے حرکت میں رہیں جیسے کوئی شعاع منعکس ہو۔

۲۔ جولائی: دورانِ مشق یوں محسوس ہوا گویا ہلکے سفید رنگ کے کچھ دھبے سے ہیں۔ یہ دھبے ایک کے بعد ایک آتے رہے۔ کافی مختصر عرصہ کے لئے تنگا ہوں کے سامنے رہے اور پھر غائب ہو گئے۔

تیسری آنکھ

فادوق مصطفیٰ، بھاؤل پور۔

۳۔ اگست: مراقبہ نور کی مشق شروع کرنے کے نحوڑی دیر بعد دریا کا تصور کچھ قائم ہوا۔ مراقبہ ہوتے وقت میرا رخ شمال کی طرف تھا مگر دریا کا تصور مشرق سے مغرب کی طرف قائم ہوا۔ دیکھا کہ ایک نور کا دریا ہے۔ سفید رنگ نورانی روشنی میں ہلکی سی پیلا ہٹا ہے۔ سامنے زمین سے بہت دور ایک کنارہ ہے، دوسرا کنارہ بھی زمین سے بہت دور ہے۔ زمین وسط میں سے ڈوبی ہوئی ہے۔ دائیں طرف بہت دور سے دریا آ رہا ہے اور بائیں طرف کو کہیں دور جا رہا ہے۔

تصور قائم ہوتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے جو۔۔۔ سفید روشنی بڑی بڑی روشنی کے شعروں میں توف سانسوں ہوا تھا۔ لیکن پھر فوراً ہی ختم ہو گیا۔

۱۱۔ اگست: ایک طویل راہ داری نظر آئی جس کی دوسری طرف سرسبز درخت روشنی میں نہایت سے ہوئے موجود تھے۔ روشنی بعض اوقات سفید ٹوب لائٹ جیسی نظر آتی ہے

اور بعض اوقات دھوپ جیسی محسوس ہوتی ہے۔

۱۴۔ اگست: مشق شروع کرنے کے کچھ دیر بعد جب تصور نور میں ڈوبا ہوا تھا، ایک دم آنکھوں کے سامنے روشنی چمکی سفید لہرائی اور محدود ہو گئی۔ اور اس سے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

۱۵۔ اگست: ایک موم جی نظر آئی۔ شعلہ ہبز رنگ تھا اور شعلے کی درمیانی جگہ سیاہ تھی۔ پھر کئی موم بتیاں نظر آئیں۔

۱۔ اگست: مشق شروع کرتے ہی نور کے لامحدود دریا میں ڈوب گیا اور اس کے ساتھ ہی میرے اوپر غنودگی سی چھا گئی۔ ہمیں معلوم غنودگی میں کیا کیا نظر آیا۔ نحوڑی دیر بعد دیند کا جھکا لگا اور بیدار ہو گیا۔ پھر تصور قائم ہوتے ہی غنودگی میں چلا گیا۔ کافی دیر تک یہ چکر چل رہا۔ جھٹکے لگتے رہے اور غنودگی چھاتی رہی۔

۲۲۔ اگست: اب کیفیت یہ ہے کہ میں آنکھیں بند کر کے کسی بھی وقت جس چیز کا تصور کرتا ہوں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ چیز میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

۱۔ ستمبر: حسب معمول شمال کی طرف منہ کر کے مشق شروع کی۔ لیکن فوراً خیال آیا کہ مغرب کی طرف منہ کرنا چاہئے۔ یوں لگا جیسے میرا جسم مغرب کی جانب گھوم رہا ہے۔ یہ خیال اتنا طاقتور تھا کہ میں واقعی مغرب کی طرف رخ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے بعد ذہن پرسکون ہو گیا۔ جسم کے مختلف حصوں میں سوئسال چھٹی رہیں۔ پھر یوں لگا جیسے سینہ اور پیٹ کے درمیان ایک ایسا سا شگاف پڑ گیا ہے اور اوپر والا حصہ لباس کی طرح جسم سے اترا چاہتا ہے۔

۲۳۔ ستمبر: آج مراقبہ شروع کرنے کے نحوڑی ہی دیر بعد یہ محسوس ہوا کہ

میری پیشانی کے سین دریان میں ایک آنکھ موجود ہے اور یہ آنکھ اس نور کو دیکھ رہی ہے جس نور کے اندر میں خود اور زمین ڈوبی ہوئی ہے۔ سوئیاں چھنے کا احساس آج بھی ہوتا رہا۔

دعا قبول ہوئی

محمد جہانگیر تبسم، ڈیرہ اسماعیل خاں۔

۱۳۔ ستمبر: مراقبہ میں دیکھا کہ میں نور کے دریا میں غوطے کھا رہا ہوں، معرفت سرا ہر ہے۔ اسی دوران کسی غیبی آواز نے مجھے مبارک باد دی۔ شفق کے دوران میں نے سر میں بھاری پن محسوس کیا۔

۱۴۔ ستمبر: سر میں بائیں طرف کسی ہرنے سر کے ہوئے میرے دماغ میں ہلچل مچادی اور میں نے اپنی آنکھوں سے سفید روشنی کی لہریں نکلتی ہوئی محسوس کیں۔

۱۶۔ ستمبر: دیکھا کہ میرے چاروں طرف نور ہی نور ہے اور سامنے بہت اونچا مینار ہے۔ میں دریائے نور میں غوطے کھانا ہوا مینار تک پہنچا۔ اس کے بعد تھوڑا ٹہکا۔ سر میں ہلکا ہلکا درد محسوس ہوا۔ اور میرے دماغ میں سے روشنی کی لہریں نکلتے لگیں۔

۲۰۔ ستمبر: رات دس بجے نور کے سمندر میں ڈوبنے کی مشق کے دوران دیکھا کہ میں نور کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوں۔ دوسرے بہت سے لوگ بھی میرے ساتھ ڈوبے ہوئے ہیں۔ اچانک میرے دماغ میں باغ کا تصور ابھرا اور دیکھا کہ باغ کے اندر بہت سے بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میز پر ہر طرح کے کھانے لگے ہوئے ہیں۔ ایک پلیٹ میں سبز قسم کی کوئی چیز رکھی ہوئی ہے اور باقی پلیٹوں میں نسیم نسیم کے کھانے ہیں۔ بزرگ

ان کو دوسری چھوٹی پلیٹوں میں ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد اچانک کوئی چیز میرے سامنے آگئی۔ وہ چیز اتنی روشن تھی کہ اس کی چمک سے میری آنکھیں چندھیا گئیں۔

۲۱۔ ستمبر: آج رات تصور کے دوران میں نے دیکھا کہ میں ایک باغ میں ہوں اچانک ایک آواز آئی "اے میرے بندے!" میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک جگہ بہت زیادہ روشنی تھی۔ پھر دوسری آواز آئی "اے میرے بندے! ہم تھوڑی سی سیکی کا بھی بہت بڑا اجر دیتے ہیں۔ مراقبہ کرو اور اللہ کی کتاب کو سمجھ کر پڑھو" اس کے بعد میں نے دُعا کی "یا اللہ! مجھے سب کچھ بتی میں کامیابی عطا فرما" اور یہ دُعا قبول کر لی گئی۔

ڈوب ڈوب کے ابھرنے

راولپنڈی سے عقیل احمد لکھتے ہیں:-

آپ کی ہدایت کے مطابق ٹیلی پیٹھی کی مشقیں شروع کیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۸۔ جون: آنکھیں بند کر کے یہ تصور کرنا شروع کیا کہ نور کا ایک دریا ہے

جس میں ساری کائنات اور میں خود ڈوبا ہوا ہوں۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ اور گرو خدا ہوش نہیں ہوتی۔ کہیں سے ہنکے چلنے کی آواز مسلسل سنائی دیتی ہے تو کہیں سے ریڈیو پر مسلسل گانے نشر ہوتے ہیں جو ارتکازِ توجہ میں خلل ڈالتے ہیں۔ بہر حال، تھوڑی دیر بعد نور کا تصور قائم ہونا شروع ہو گیا۔ دورانِ مشق میں جیسے جیسے خیال آیا وہ کچھ مکمل اور کبھی نامکمل طور پر نور میں ڈوبی ہوئی دکھائی دی۔ نور کا مکمل تصور قائم نہ ہو سکا۔

۲۲۔ جون : نور کا تصور قائم ہوا اور میں اپنے آپ میں سے نکل کر کھلی دفنا میں چلا گیا۔ میں نے نور کے دریا میں غوطے لگانا شروع کر دیے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ محسوس ہونے لگا جیسے میں بھی نور میں ڈوبا ہوا ہوں۔ اور نور میں ڈھل کر نور بن گیا ہوں۔ ایک بات جو میں نے نوٹ کی وہ یہ ہے کہ اب کام کرنے کو بہت جی چاہتا ہے جب کہ پہلے یہ حال تھا کہ ہر کام کو نہ کرنے اور ٹالنے کے بہانے سوچتا رہتا تھا۔ لیکن اب طریقہ فکریہ ہو گئی ہے کہ جب کام کرنا ہے تو کر ہی ڈالو۔

۲۷۔ جون : سونے کے لئے جب بستر پر لیٹا اور آنکھیں بند کیں تو یوں محسوس ہوا جیسے میں نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا بستر پر لیٹا ہوں۔ رات کو نیند سے بیدار ہوا تو آنکھوں میں بدقسمت جسم کی روشنی دکھائی دی۔ آنکھیں کھولیں تو یہ روشنی غائب ہو گئی۔ اب نیند بہت گہری آتی ہے۔

۱۔ ستمبر : آج نور کا تصور زیادہ واضح طور پر قائم ہوا۔ میں نور کے دریا کے اوپر پرواز کرتا رہا۔ نور میں غوطے لگاتا رہا۔ چلتا پھرتا رہا اور ڈوب ڈوب کر ابھرتا رہا۔ میں نے اپنے آپ کو ان گنت جسموں میں تقسیم ہوتے دیکھا۔

جنت کا باغ

محمد صمد در تابیانی، شیخوپورہ لکھنے میں :-

۲۹۔ اکتوبر : صبح فجر کی نماز کے بعد بیسی کی پہلی مشق کا آغاز کیا مختلف حالات دل میں آتے رہے۔ پھر دیکھا کہ ایک دریا ہے جس کا پانی ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ پھر ایک سمندر نظر آیا جس کی لہریں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہوئی گنا سے کی جانب بڑھ

رہی تھیں۔ مجھے خیال آیا یہ تو پانی کا دریا ہے، لیکن مجھے تو نور کے دریا کی تلاش ہے۔ یہ خیال آتے ہی ایک باغ سامنے آ گیا۔ اس میں ایک نہر جاری تھی۔ جس کا پانی شیشے کی مانند چمک رہا تھا۔ میں نے اس میں ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ یہ پانی نہیں، ریت اور پاؤڈر کی طرح کوئی چمک دار چیز ہے۔ پھر کئی خوبصورت مناظر کسی فلم کی طرح نگاہوں کے سامنے آتے رہے۔

۳۰۔ اکتوبر : نماز فجر کے بعد مراقبہ شروع کیا۔ کل کی طرح تھکایاں اور دریا سامنے آ گئے۔ ان پر وہندی چھائی ہوئی تھی۔ سمندر کا پانی بھی دھند کی طرح سفید تھا۔ اور بادلوں کی طرح ادھر ادھر اڑ رہا تھا۔ سماں بہت سہانا تھا۔ میں نے اس سمندر میں غوطے لگانے کی کوشش کی لیکن کاہناب نہیں ہو سکا۔ پھر میرے ذہن میں خیال آیا کہ مجھے تو یہ تصور قائم کرنا ہے کہ ساری دنیا اور میں خود نور میں ڈوبا ہوا ہوں۔ اور پھر میں نور کی تلاش میں نکل پڑا۔ دریا اور سمندر وہند کی شکل میں سامنے آتے رہے۔ رات کے مراقبے میں دیکھا کہ ایک پہاڑ ہے جس پر میں کھڑا ہوں۔ نیچے جھانکا تو کہیں سے سفید رنگ کی روشنی آتی ہوئی دکھائی دی۔ ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھا تو سفید اور نیلے رنگ کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے چاہا کہ اس میں غوطہ لگاؤں۔ قریب ہوا کہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ نور اُبلتے ہوئے پانی کا چشمہ ہے۔ وہاں میں ایک ایسی واوی میں پہنچ گیا جس کے مکانات سیاہ اور تہرے پتھروں سے بنے ہوئے تھے۔ یہ مکانات بہت اونچے تھے اور چاند کی روشنی کچھ ایسا سماں پیدا کر رہی تھی کہ مجھے پرستان کا گمان ہونے لگا۔ پھر میں نے ایک دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک نہر ہے جس میں پانی کی بجائے نور ہی نور ہے۔ اس طرح میں نے تین چار دروازے کھولے اور دروازے کے اندر ایک نہر دیکھی جس کا پانی سفید

اور سیلا تھا۔ رنگ بڑا چمک دار تھا۔ تب میں نے اپنے ذہن میں یہ تصور قائم کیا کہ میں خود اور ساری دنیا نور میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ساری دنیا اور خود کو بھی چاند کی چاندنی میں ڈوبا ہوا دیکھا۔ پھر میں نے بلب کی روشنی کی طرح ہریں دیکھیں۔ یہ ہرے میں شمال سے جنوب کی طرف جاری تھیں۔

۳۱۔ اکتوبر: مراقبہ میں دیکھا کہ نور کا رنگ اس طرح کا تھا جیسے چاندنی میں سفوفی سی نیلا ہٹ ٹی ہوئی ہو۔ یکایک میں ہوا میں ڈرا اور ایک پہاڑی پر جا پہنچا۔ ایک غار میں کھڑے ہو کر اللہ کے گھر کی طرف دیکھا۔ وہاں نور ہی نور برس رہا تھا۔ میں اس غار میں سے نکل کر ایک پتھر پر جا بیٹھا۔ وہ پتھر مجھے لے کر ادا پر اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمانوں کے اندر سے ہوتا ہوا کسا ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں سفید دیواروں پر سیاہ رنگ کے حاشے بنے ہوئے تھے۔ ان سیاہ حاشیوں میں NEON SIGN کی طرح کوئی عبارت لکھی ہوئی تھی۔ اسی میں یہ دیکھی رہا تھا کہ میرے تایا جان نے مجھے آواز دی کہ اور میں نے مراقبہ ختم کر دیا۔ گھڑی دیکھی تو آدھ گھنٹہ گزر چکا تھا۔

رات کو مراقبہ میں شبلی دیزل کی طرح ایک سکون تھا۔ آئی اور مختلف خیالات ذہن میں آتے رہے۔ پھر پسائیلوں اور وادیوں کی سیر کرنا ہوا ایک دروازے کے سامنے جا پہنچا۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو خود کو ایک جنت نما باغ میں پامال ہوا چاروں طرف مرکری لائٹ پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ دیر وہاں ٹھہر کر میں دروازے سے باہر آگیا اور دروازہ بند کر دیا۔

۵۔ نومبر: مراقبہ شروع کیا اور میں نے دیکھا کہ فضا میں اڑ رہا ہوں۔ اڑتے اڑتے ایک پہاڑی پر قیام کیا۔ وہاں سے اڑا تو خلا میں جا پہنچا۔ خلا میں سے زمین اور

چاند کا مشاہدہ کیا۔ معلوم ہوا کہ زمین گول ہے اور چاند کی سطح پر خار اور ٹیلے ہیں۔ پھر میں ایک ستارہ پر اتر گیا۔ پتہ چلا کہ یہ مریخ ہے۔ وہاں سے ایک کرسی پر بیٹھ کر اوپر اٹھنے لگا اور سورج کے بہت قریب پہنچ گیا۔ سورج میرے سر پر تھا اور لکھنائی نظام میرے سامنے اچانک میرے ذہن میں سوال ابھر کہ سورج کے نزدیک ہوتے ہوئے سورج کی تپش کتنے کیوں محسوس نہیں ہوتی؟ جواب ملا کہ تم نور کے ایسے حلقے میں ہو جہاں سورج کی تپش اثر انداز نہیں ہوتی۔

آواز خیالات کے دوش پر

امداد علی ملک، آزاد کشمیر۔

۱۲۔ اکتوبر: مراقبہ میں دیکھا ایک شخص فضا میں سید پر چل رہا ہے۔ اس کے خیالات میرے دماغ سے ٹکرانے لگے یعنی جو کچھ وہ سوچ رہا تھا میں اسے سنتے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کتنی خوب صورت زمین ہے! مجھے آدھ گھنٹہ کے لئے اس پر سوجھنا چاہئے۔ پھر وہ فوراً سو گیا اور آدھ گھنٹہ کے بعد بیدار ہوا۔ لیکن یہ آدھ گھنٹہ میرے لئے چند سیکنڈ کے برابر تھا۔ پھر دیکھا کہ میں نے اس شخص کے خیالات پر قابو پایا ہے۔ دو جن دی کام کرتا ہے جو میں سوچتا ہوں۔ میں اپنی توجہ اس کے دماغ پر مرکوز کر کے خیال کے عالم میں چنچا تو وہ پچ پچ چنچیں مارنے لگا۔

۱۴۔ اکتوبر: دیکھا کہ دو شخص ایک لڑکی کی خاطر لڑ رہے ہیں۔ ایک چاہتا ہے کہ وہ لڑکی کے ساتھ جائے۔ دوسرے کی بھی یہی خواہش ہے اور وہ ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے ہیں۔ پھر غور ہی دیر بعد انکھول کے سامنے پانچ ستارے آ گئے۔

ستارے غالب ہوئے تو سانپ جیسی کوئی چیز آگئی۔ وہ بالکل سفید تھی۔ پھر دیکھا کہ کہیں دور سے نارچ کی روشنی آ رہی ہے۔ جب قریب آئی تو دیکھا کہ نارچ میرے بھائی کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے وہ نارچ میری طرف پھینکی اور میں نے پکڑ لی۔ پھر مجھے محسوس ہوا کہ بھائی جان کئی میل دور ہیں پر سفر کر رہے ہیں۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے دو تین نارچیں وہاں سے پھینکیں اور میں نے وہ نارچیں اپنے کمرے میں چار پائی پر رکھ لیں۔

۱۵۔ اکتوبر: تصور نوراً قائم ہو گیا۔ ایک چمک دار روشنی وقفے وقفے سے نظر آتی رہی۔ کچھ وقفے کے بعد ایک عورت سامنے آگئی۔ پہلے اس کا چہرہ نظر آ سکا لیکن جب چہرہ دیکھا تو حیران ہو گیا، بڑی عجیبانگ شکل تھی اس کی۔ اور لمبے لمبے بال ہوا میں اڑ رہے تھے۔ اس کے بعد دماغ میں روشنی کی تیز ہلچل شروع ہوتی رہی اور میں اپنا جسمانی توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتا رہا کیوں کہ میں اس وقت ہوا میں اڑ رہا تھا۔ پھر دیکھا کہ دوبارہ چار پائی پر پہنچ گیا ہوں۔ دور سے کسی عورت کا چہرہ دکھائی دیا۔ قریب جا کر معلوم ہوا کہ وہ بحری جہاز میں سفر کر رہی ہے۔ میں حیران تھا کہ وہ کون ہے۔ اچانک میرے دماغ کی سطح پر کچھ آوازیں پیدا ہوئیں۔ اس عورت کا تعلق انڈونیشیا سے ہے اور یہ پچیس سال سے سفر کر رہی ہے۔ پھر تین آنکھوں سے اندھیرے میں سامنے والی دیوار نظر آئی۔ وہ نور کی سمی اور سامنے والی کمر کی بھی نور سے پردہ دکھائی دی۔ میں گھٹپ اندھیرے میں اپنے سانسے کو بھی دیکھ رہا تھا۔

۱۶۔ اکتوبر: ایک بار عجب شخص کو دیکھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ شخص ٹی بی پی جاتا ہے۔ میں نے اس شخص کو کوئی جگہ بتائی اور درخواست کی مجھے وہاں پہنچا دو۔ تب اس نے آنکھیں اٹھا کر میری آنکھوں میں دیکھا۔ میری تمام قوتیں ختم ہو گئیں۔ اور میں ہوا میں

خیار سے کی طرح پھلکی کی سی تیزی سے دوڑنے لگا۔ میں نے قوت ارادی سے کام لیا اور رُکنے کی کوشش کی۔ تھوڑی بہت کامیابی ہوئی اور میں منسوب مقصود پر پہنچ گیا۔

۱۸۔ اکتوبر: دیکھا کہ میں سمت در میں تیر رہا ہوں۔ اور میرے جسم کی پشت کی جانب ایک سفید اور چمک دار ہولنا موجود ہے جس کا فاصلہ تقریباً ایک فٹ ہے۔ میں نورانی زمین پر آتی پالتی مارے میٹھا ہوا ہوں۔ ایک لڑکا میرے پاس آیا اور میرے سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم نورانی زمین کو خراب کر رہے ہو۔ یہ سن کر وہ مجھ پر ہنسنے لگا۔ اچانک اس کی نشست کی جگہ سے نور ختم ہو گیا اور وہ نیچے گر پڑا۔ گرنے کے دوران اس نے کڑی کوجڑ کر چلنے کی طرح حرکت دینا شروع کر دی۔ تب میں نے اُسے وہاں سے نکالا اور وہ بھاگ گیا۔

ایک بات دیکھنے میں یہ آئی کہ نور میری مریخی کے مطابق سامنے آتا ہے۔ اگر میں ٹھوس نور کا خیال کرتا ہوں تو بہت کی طرح ہوتا ہے اور اگر مائع نور دیکھنے کی مشق کرتا ہوں تو پانی کی طرح نظر آتا ہے۔

۱۹۔ نومبر: سانس کی مشق کے دوران دماغ ہلکا محسوس ہوا۔ اور اچانک ایک شخص کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی جس کو میں جانتا ہوں۔ مجھ پر یہ بات منکشف ہوئی کہ اس نوجوان کے خیالات آواز کی صورت میں مجھ تک پہنچ رہے ہیں۔ میں نے سنا تو وہ ایک لڑکی سے متعلق تھے۔

اگرچہ یہ بات ناممکن نظر آتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ٹی بی پی کی مشقوں کی وجہ سے لوگوں کے خیالات مجھ تک پہنچ جاتے ہیں۔ ایک بار ہمارے گھر کے نزدیک سانپ نکل آیا اور لوگ اسے مارنے لگے۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل ہو کر سانپ کو پتھر مارنے

لگا حالانکہ میرے گھر والوں نے مجھے سانپ مارنے سے منع کیا ہوا ہے۔ اتفاق سے میری حرکت کو بھائی صاحب نے دیکھ لیا۔ لیکن اس وقت کچھ نہیں بولے۔ اور گھر کے اندر چلے گئے۔ میں بہت فکر مند ہوا اور گھبرا کر بیک سوئی سے سوچنے لگا کہ نہ جانے بھائی صاحب مجھے کیا کہیں گے۔ بالیک میرے ذہن نے بھائی کی غصیلی آواز سنی۔ کہاں تھے تم؟ فوراً ہی ذہن نے اس کا جواب دیا۔ چائے پی رہا تھا۔ بھائی صاحب کی آواز گونجی۔ اس سے پہلے کہاں تھے؟ کھانا کھا رہا تھا۔ بھائی صاحب نے غصہ بھری آواز میں پوچھا۔ اور اس سے پہلے کہاں تھے؟ اس کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بھائی صاحب نے کہا۔ تم کو شرم نہیں آتی؟ کتنی دفعہ منع کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح ان کی ڈانٹ کا آواز آتی رہی۔

یہاں پر یہ مکالمہ آرائی ختم ہوئی ہی تھی کہ بھائی صاحب کمرے میں داخل ہوئے اور جس طرح میں نے اپنے ذہن میں آواز محسوس کی تھی، اسی انداز انداز ہی الفاظ میں کہا۔ کہاں تھے تم؟

میری زبان سے فوراً نکلا۔ چائے پی رہا تھا۔

اور پھر لفظ بہ لفظ انہوں نے مجھ سے وہی سوالات کئے اور ڈانٹا جو میں پہلے ہی اپنے ذہن میں سن چکا تھا۔

ایک اور واقعہ یوں ہے کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے کہتا، میرے دماغ میں یہ خیال تیزی سے پیدا ہوا کہ یہ مجھ سے چاقو مانگ رہا ہے۔ دوسرے ہی لمحہ اس نے مجھ سے کہا۔ مجھے چاقو کی ضرورت ہے۔ آپ مجھے چاقو دے دیں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ میرے خیال میں اتنی قوت پیدا ہو گئی ہے کہ جو کچھ میں ارادہ کرتا ہوں وہ فوراً پورا ہو جاتا ہے۔ ایک روز میرے دو چھوٹے بھائیوں میں لڑائی ہو گئی۔ اور بڑے نے چھوٹے کو تھپڑ مار دیا۔ کچھ دیر تک دونوں ناراض رہے۔ پھر سنی خوشی کھیلنے لگے۔ میں نے ارادہ کیا کہ چھوٹے بھائی کو چاہیے کہ بدلہ کے طور پر بڑے بھائی کو تھپڑ مارے۔ ابھی میں نے یہ سوچا ہی تھا کہ چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کو ایک بھر پور تھپڑ رسید کر دیا۔

ادھر میں نے جو مشاہدات اور تجربات بیان کئے ہیں یہ ان بے شمار واقعات میں سے چند ہیں جو آج کل روزانہ میرے ساتھ پیش آ رہے ہیں۔



ٹیلی پیچی اور سانس کی مشقیں

شاہ محمود لاہور _____ میں نے پراسرار علوم کے موضوع پر مشرقی اور مغربی تقریباً تمام مصنفین کی کتابیں پڑھی ہیں۔ ان تمام مصنفین نے شبہی، آئینہ مینی اور دائرہ مینی کے متعلق لکھا ہے۔ اور ان مشقوں سے جو نتائج مرتب ہوئے ہیں ان نتائج کے بارے میں بہت سے لوگوں کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ طبیعات اور نفسیات کی روشنی میں ان دانشوروں نے علمی بحث بھی کی ہے۔ ٹیلی پیچی کے بارے میں جو تصوری آپ نے بیان کی ہے وہ بالکل منفرد اور الگ ہے۔ میری دانست میں کسی بھی مصنف نے ٹیلی پیچی کے ضمن میں سانس کی مشقوں اور فور کے سمندر کا تذکرہ نہیں کیا۔ جہاں تک ذہنی سکون کا تعلق ہے وہ اس علم کو سکھنے میں مستدام ہے جو شبہ مینی اور دائرہ مینی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ کیا آپ اپنے قارئین کو یہ بتانا پسند کریں گے کہ ٹیلی پیچی میں سانس کی مشق اور مراقبہ نور کی اہمیت کیا ہے؟

کائنات پشیمول انسان ہر لمحہ اور ہر آن متحرک ہے۔ کائنات کی حرکت سے قطعی نظر انسان اور اس مخلوق کی زندگی کا جو راز روح بھی جاتی ہے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ زندگی کا قیام سانس کے اوپر ہے۔ جب تک سانس کی آمد و شد جاری ہے، زندگی رواں دواں ہے۔ اور جب سانس میں غلطی واقع ہو جاتا ہے تو

مظاہراتی اعتبار سے زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ سانس کے رُخ متعین ہیں۔ سانس اندر جاتا ہے اور باہر آتا ہے۔

روحانی نقطہ نظر سے سانس کا اندر جانا انسان کو اس کی رُوح یا INNER سے قریب کر دیتا ہے اور سانس کا باہر آنا انسان کو اس کی رُوح یا INNER سے غرضی طور پر دور کر دیتا ہے۔

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ انسان روشنیوں سے مرکب ہے اور اس روشنی کی بنیاد (BASE) اللہ کا نور ہے۔ جس طرح سانس کی آمد و رفت انسان کی زندگی ہے اسی طرح خیالات کو بھی ہم زندگی کہتے ہیں۔ یہ الفاظ دیگر سانس خیالات کی زندگی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اب اگر ہم زندگی کا تجزیہ کریں تو یہ انکشاف ہوتا ہے کہ جس طرح سانس دو رُخ برقرار ہے، بالکل اسی طرح خیالات بھی دو رُخ برقرار کرتے ہیں۔ خیالات کا ایک رُخ وہ ہے جس کا نام اسفل رکھا گیا ہے اور دوسرا رُخ وہ ہے جو ہمیں اسفل سے دور کر کے اعلیٰ مقام میں لے جاتا ہے۔ عرف عام میں اس کو خیالات کی پاکیزگی یا خیالات میں چھپیدگی اور تاریکی کہا جاتا ہے۔ خیالات میں پاکیزگی دراصل ایک طرز فکر ہے۔ طرز فکر اگر پاکیزہ ہے تو انسان سکون اور راحت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ سکون اور راحت انسان کے اندر ذہنی یکسوئی پیدا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس تاریک طرز فکر انسان کو حزن و غم اور رنج و آلام سے آشنا کرتی ہے۔ حزن و غم ذہنی یکسوئی ختم کر کے انسان کو دماغی انتشار میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسی بات کو ہم دوسری طرح بیان کرتے ہیں۔ تمام آسمانی محالفت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی اصل تخلیق ازل میں ہوئی ہے۔ اور پھر انسان (آدمی) ناسرمانی کا مرکب ہو کر اس دنیا میں آیا ہے، اسی دنیا میں جہاں ازل غیب ہے لیکن غیب سے اس کا

ایک مخفی رشتہ قائم ہے۔ ازل میں موجودگی کا تعلق انسان کی رُوح سے ہے اور دنیاوی وجود ایسے جو اس میں جو انسان کو رُوح سے دور کر دیتے ہیں۔ جب ہم سانس اندر لیتے ہیں تو ازل سے قریب ہو جاتے ہیں۔ اور جب سانس باہر نکالتے ہیں تو خود کو ازل سے دور محسوس کرتے ہیں۔ یعنی سانس کا باہر آنا اس زندگی اور ازل کی زندگی کے درمیان ایک پردہ ہے۔ جب ہم سانس کو اندر رکھتے ہیں تو ہمارا رشتہ ازل سے قائم ہو جاتا ہے۔ شیل پیچی کے اسباق میں سانس کی مشق کو اس لئے شامل کیا گیا ہے کہ انسان اپنی رُوح سے قریب ہو جائے۔ مادرائی علوم میں اس وقت تک صحیح معنوں میں کامیابی ممکن نہیں ہے جب تک انسان اپنا رُوح سے قریب نہ ہو۔

عام طور پر شیل پیچی سیکھنے والے لوگوں کی طرز پر یہ ہوتی ہے کہ وہ اس علم سے دنیاوی فائدے اٹھائیں۔ اور اپنے معمول کو متاثر کر کے اس سے فائدہ حاصل کریں۔ چند حضرات اس علم کو اس لئے بھی سیکھتے ہیں کہ وہ اس سے اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ اپنے صحت مند خیالات کسی مریض کے دماغ میں منتقل کر کے اس مریض کو بیماریوں سے نجات دلا دیں۔ اس علم کو سیکھنے والوں کی جو بھی طرز فکر ہوتی ہے ان کا ذہن اسی کے مطابق عمل کرتا ہے۔

ذہنی یک سوئی کے لئے مراقبہ نور کی مشق ہم نے اس لئے تجویز کی ہے کہ ذہنی سکون کے ساتھ ساتھ انسان کے اندر طرز فکر بھی پاکیزہ ہو جائے۔ پاکیزہ طرز فکر میں انسان اپنی رُوح سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اندر ایسی فراست پیدا ہوتی ہے جس کو تعقوت نے فکر سلیم کہا ہے۔

ہم نے شیل پیچی کی پہلی مشق کے دوران چند طلبہ کی کیفیات قلم بند کی ہیں۔ آپ

نے پڑھا ہے کہ ان حضرات کی طرز فکر خود بخود انوار کی طرف منتقل ہو گئی ہے اور جب کوئی بندہ فی الواقع انوار سے آشنا ہو جاتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اس کی اپنی زندگی سنور جاتی ہے بلکہ وہ اللہ کی مخلوق کے لئے بھی سکینوں سے نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ ہمارے قارئین انشاء اللہ ذہنی یکسوئی کے ساتھ فکر سلیم حاصل کر لیں گے اور اس فکر سلیم کے ساتھ شیل پیچی سیکھ کر دماغی کش مکش، ذہنی انتشار اور مصائب و آلام کی زندگی سے نجات حاصل کر کے اللہ کی مخلوق کی خدمت کا ذریعہ بنیں گے۔



پیلی پیچی کا دوسرا سبق

پہلے سبق میں یہ بات پوری طرح واضح کر دی گئی ہے کہ ٹیلی پیچی سیکنڈ کے لئے ضروری ہے کہ مشترک خیالات سے نجات حاصل کر کے صرف ایک خیال کو اپنا ہدف بنایا جائے۔ دوسری کیسوں اور مرکزیت حاصل کرنے کے لئے دوسرا سبق ہے۔

دہانے ہاتھ کے انگوٹھے سے سیدھے نچھنے کو بند کر لیں اور بائیں نچھنے سے پانچ سیکنڈ تک سانس لیٹھ کر سیدھا تختہ اچھٹکلیا سے بند کر لیں۔ اور دس سیکنڈ تک سانس روک لیں۔ دس سیکنڈ کے بعد اٹے نچھنے سے پانچ سیکنڈ تک سانس باہر نکالیں۔ ایک چکر ہو گیا۔ یعنی پانچ سیکنڈ سانس لینا، دس سیکنڈ روکنا اور پانچ سیکنڈ باہر نکالنا ہے۔ اس طرح دس مرتبہ اس عمل کو دہرائیں۔ سانس کی یہ مشق صبح سویرے نچھنے سے پہلے غلوئے معدہ اور رات کو سونے سے پہلے خالی پیٹ کر کرنی چاہیے۔ سانس کی اس مشق کے بعد ہتھکھیر، ہنہ کر لیں اور یہ تصویر کریں کہ آسمان پر نیلے رنگ کے بادل چھائے ہوئے ہیں اللہ تکب کے اوپر نور کیا بارش ہو رہی ہے۔ شروع شروع میں اس مراقبہ کے دوران شعور کی غرضت اتنی زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ دماغ بوچھل اور مآؤف ہونے لگتا ہے۔ دماغ کا مآؤف ہونا دراصل مشق کی کامیابی کی طرف اشارہ ہے۔ ابتدائی چند دنوں میں بالخصوص بالکل قائم نہیں ہوتا یا صرف آسمان اور بادل کا تصور دماغ کی سطح پر نمودار ہوتا ہے۔

جب اس تصور میں گہرائی واقع ہو جاتی ہے تو پہلے سو کے اوپر بارش کے قطرے گرنے کا احساس ہوتا ہے۔ تصور اور زیادہ گہرا ہو جاتا ہے تو فی الواقع بارش ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور جسم پر اس نورانی بارش کی بڑی بڑی بوندوں کا وہی اثر مرتب ہوتا ہے جو پانی کی بارش سے ہوتا ہے۔ یعنی نورانی بارش کی بوندیں گرنے سے جسم پر چوٹ پڑتی ہے اور پھر پورے ماحول پر برکھائرت کا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔ جب بند آنکھوں سے بارش کا تصور قائم ہو جائے اور جسم پر بوندوں کی چوٹ محسوس ہونے لگے تو اس مشق کو کھلی آنکھوں سے کیا جائے۔ اور تیسری آنکھ سے یہ دیکھا جائے کہ ہر طرف نور کی بارش ہو رہی ہے اور پورا ماحول اس نورانی بارش میں ڈوبا ہوا ہے۔ جب یہ تصور پورا ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ اس مشق کی تکمیل ہو گئی ہے۔

امان اللہ بچائی لائبریری

فلپٹ نمبر DS/3-4 ہلاک

ڈی ہاؤسنگ کیمپائیکس بورڈ

نام اتحادی کراچی 7806



فکرِ سلیم

جاوید اختر، لاہور

سوال : آپ نے خیالات کے دو رخ متعین کئے ہیں۔ ایک اسفل، دوسرا اعلیٰ۔ اعلیٰ خیالات کو آپ نے فکرِ سلیم کا نام دیا ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنا فکرِ سلیم ہے۔ اور اسلام میں نیکی پختی کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ نیکی پختی دراصل ان علوم میں سے ایک علم ہے جو یورپ کے سائنس دانوں نے دوسرے مادیاتی علوم سے انفرج کیا ہے۔ یہ بہت زیادہ پریشان کن بات ہے کہ آپ نے اسلام میں نیکی پختی کی پروردگاری کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ نیکی پختی ایک ابراہیم بن گیا ہے جس کی اہمیت سے کسی کو انکار کی مجال نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ نیکی پختی سکھنے والا کوئی فسرہ فکرِ سلیم ہی رکھتا ہو یعنی وہ مسلمان ہو۔ کیا آپ کسی ایک ایسے واقعہ کی نشان دہی کر سکتے ہیں جو ہمارے اسلاف کے ساتھ پیش آیا ہو اور وہ نیکی پختی کے علم کے مطابق رکھتا ہو؟ آپ سے نہایت دردمندانہ درخواست ہے کہ آپ اس علم کو اس کی اصلی شکل و صورت اور اس کی حقیقی ہیئت میں پیش کریں تاکہ اسلام اور نیکی پختی میں امتیاز برقرار رہے۔

جواب : جہاں تک فکرِ سلیم کا تعلق ہے اس کو کسی ایک قوم یا کسی ایک گروہ کی میراث

قرار نہیں دیا جاسکتا۔ فکرِ سلیم دراصل انسانی استعداد کا دوسرا نام ہے۔ اگر کسی غیر مسلم یا انسانی قدریں موجود ہیں تو اس کو ہر حال انسان کہا جائے گا۔ اور اگر کسی مسلمان میں انسانی قدریں نہیں ہیں تو وہ ہرگز انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پاره ۶، رکوع ۱۳، سورہ المائدہ کی آیت ۶۹ میں ارشاد فرماتے ہیں :-

البتہ جو مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں اور صابئین اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر اور عمل کرے نیک ان پر ڈر ہے اور زندہ نیک کھادیں (ترجمہ شاہ عہد القادر)۔

آیت مقدسہ میں یہ بات پوری طرح واضح کر دی گئی ہے کہ کسی قوم یا کسی فرد کا نیک عمل ضائع نہیں کیا جاتا۔ اس نیک عمل کا اجر اللہ تعالیٰ اُسے ضرور عطا کرتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ اس کا عمل خالصتاً اللہ کے لئے ہو۔ ایسا عمل جو اللہ کے لئے کیا جائے، فکرِ سلیم کے دائرے میں آتا ہے۔ ہم نے فکرِ سلیم کو ایک ایسی طرزِ فکر بتایا ہے جو انسان کو اس کی رُوح سے قریب کرتی ہے۔ رُوح سے قریب ہونا اور رُوح کا عرفان حاصل ہونا ہی دراصل انسانیت ہے۔ تمام آسمانی مخالفت تو بخ انسان کو اسی طرزِ فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ اس سوال کا جواب کہ اسلام میں نیکی پختی کا وجود نہیں ہے، یہ ہے کہ نیکی پختی

دراصل نام ہی ایسے علم کا ہے جس کے ذریعے ایک زندہ اللہ کی مخلوق کے دلوں میں اپنے خیالات اور طرزِ فکر کے منتقل کرنا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا مشن یہ رہا ہے کہ وہ اپنی اس فسرہ فکر کو جو انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے عبورِ حاس و دلیت ہوئی ہے، اللہ کی مخلوق کو اس سے نفیس یا ب کریں۔ اور ان کو شیطنیت سے مامون اور باغیانہ طرزِ زندگی سے نجات دلائیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ترغیب کی بجائے اس علم کو نیکی پختی

کہا ہمارے خیالات کا تبادلہ انسانوں کی طسرح جنات، فرشتوں اور حیوانات
سے بھی ہوتا ہے، نیز کیا ہم اپنے تفکر سے عالم اسباب کے علاوہ دوسرے نظام پاک
شمسی میں بھی تصرف کر سکتے ہیں اور کیا زمین پر (خیالات) اپنی ایک الگ طبیعت،
بابت اور حیوانات کرتی ہیں؟

جواب: بابا نانچ الدین ناگپوری حضرت خصوصی مسائل ہی میں نہیں بلکہ عام حالات میں
بھی گفتگو کے اندر ایسے مرکزی نقطے بیان کر جاتے تھے جو براہ راست قانون قدرت
کی گہرائیوں سے اہم رشتہ ہیں۔ بعض اوقات اشاروں اشاروں ہی میں وہ ایسی بات
کہہ جاتے تھے جس میں کائنات کی علمی توجیہ ہوتی اور سننے والوں کی آنکھوں کے سامنے
یکساں رنگی کرامت کے اصولوں کا نقشہ آجاتا۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا کہ ان کے ذہن سے
تسلسل کے ساتھ سننے والوں کے ذہن میں روشن کی ہر شے منتقل ہو رہی ہیں۔ اور ایسا بھی ہوتا
ہے کہ وہ بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور حاضرین میں دماغ ہر وہ بات اپنے ذہن میں سمجھتے اور
محسوس کرتے جا رہے ہیں جو ناچار حضرت اللہ علیہ کے ذہن میں اس وقت گشت کر رہی ہے
بغیر توجہ دینے کے۔ ان کی فطرت ارادی توجہ لوگوں کے اوپر عمل کرتی رہتی تھی۔ بعض لوگ یہ
کہا کرتے تھے کہ ہم نے بابا صاحب کے اس تسریز ذہن سے بہت زیادہ فیضان حاصل
کیا ہے۔ یہ بات تو بالکل ہی عام تھی کہ چند آدمیوں کے ذہن میں کوئی بات آئی اور
نانا جتہ اللہ علیہ نے اس کا جواب دے دیا۔

انسان و فرشتے اور جنات | سرسب راجہ رگوراد ان سے غیر معمولی عقیدت رکھتا
تھا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور کوئی درخواست کرتا تو اس طرح جیسے دیوتاؤں
کے حضور میں۔ یہاں وہ چند باتیں پیش کی جاتی ہیں جو میری موجودگی راجہ اور نانا جتہ اللہ

علیہ میں ہوا کرتی تھیں۔ ان اوقات میں کوئی اور صاحب بھی سوال کر لیا کرتے تھے اور
پوری مجلس جواب سے مستفیض ہوتی۔ ایک مرتبہ مہاراجہ نے سوال کیا۔ بابا صاحب!
ایسی مخلوق جو نظر نہیں آتی مثلاً فرشتے، جنات، غیر متواتر کی حیثیت رکھتی ہے۔ جتنی
آسمانی کتابیں ہیں ان میں اس قسم کی مخلوق کے تذکرے ملتے ہیں۔ ہر مذہب میں بدرجوں
کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ کہا گیا ہے لیکن عقلی اور علمی توجیہات نہ ہونے سے ذی فہم
انسانوں کو سوچنا پڑتا ہے۔ وہ یہ کہتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم سمجھ گئے۔ تجربات جو کچھ بیان ہو
ہیں وہ افسردہ ہی ہیں، اجتماعی نہیں۔ آپ اس مسئلہ پر ارشاد فرمائیں۔

نانا جتہ اللہ علیہ نے اس باب میں جو کچھ فرمایا وہ فقط تبصرہ نہیں بلکہ میرے
اندازے میں ایسے اہامات کا مجموعہ ہے، قدرت نے ان کی ذات کو جن کام کرنا یا
متنا۔ صاحب فرست انسانوں کے لئے یہ مخلوقات محدود درجہ محل تفکر ہیں۔ ان کے
جواب سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ قدرت اور ان کے ذہن کی سطح قریب قریب
ایک ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مسئلہ کی وضاحت جن خیالات کے ذریعے کی گئی
ہے وہ قدرت کے رازوں میں کس طرح سمائے ہوئے ہیں۔ جس وقت یہ سوال کیا گیا
نانا نانچ الدین بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی نگاہ اوپر تھی۔ فرمانے لگے تباں رگوراد! ہم سب
جب سے پیدا ہوئے ہیں ستاروں کی مجلس کو دیکھتے رہتے ہیں۔ شاید ہی کوئی رات ایسی ہو کہ
ہماری نگاہیں آسمان کی طرف نہ اٹھتی ہوں۔ بڑے مزے کی بات ہے، کہنے میں بھی آتا ہے
کہ ستارے ہمارے سامنے ہیں، ستاروں کو ہم دیکھ رہے ہیں، ہم آسمانی دنیا سے
روشناس ہیں۔ لیکن ہم کیا دیکھ رہے ہیں اور ماہ وახشم کی کون سی دنیا سے روشناس
ہیں اس کی تشریح ہمارے بس کی بات نہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں قیاس آرائی سے زیادہ نہیں ہوتا

پھر بھی سمجھتے ہی ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔ زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ جب ہم بڑی کثرت
 میں کہ انسان کو نہ کچھ جانتا ہے تو یہ قطعاً نہیں سوچتے کہ اس دعوے کے اندر حقیقت ہے یا
 نہیں۔ فرمایا جو کچھ میں نے کہا اُسے سمجھو، پھر بتاؤ کہ انسان کا علم کس حد تک معقول ہے۔
 انسان کو کچھ نہ جانتے کے باوجود اس کا یقین رکھتا ہے کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ یہ چیزیں
 دور پر سے کی ہیں۔ جو چیزیں ہر وقت انسان کے تجربے میں ہیں ان پر بھی ایک نظر ڈالتے
 جاؤ۔ دن کا طلوع ہوتا ہے۔ دن کا طلوع ہونا کیا شے ہے؟ میں نہیں معلوم۔ طلوع ہونے کا
 مطلب کیا ہے؟ ہم نہیں جانتے۔ دن رات کیا ہیں ان کے بارے میں نئی بات کہہ دی
 جاتی ہے کہ یہ دن ہے اور اس کے بعد رات آتی ہے۔ نوع انسانی کا بھی تجربہ ہے۔
 میاں رنگور راؤ! ذرا سوچو کیا سنجیدہ طبیعت انسان اس جواب پر مطمئن ہو جائے
 گا؟ دن رات فرشتے نہیں ہیں، جنات نہیں ہیں۔ پھر بھی وہ مظاہر ہیں جن سے ایک فرد
 واحد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ تم اتنا کہہ سکتے ہو کہ دن رات کو نگاہ دیکھتی ہے۔ اس کے قابل یقین
 ہے۔ لیکن یہ سمجھنا بھی فردی ہے کہ نگاہ کے ساتھ فکر کیا کام کرتی ہے۔ اگر نگاہ کے ساتھ فکر
 کام نہ کرے تو زبان نگاہ کے بارے میں کچھ نہیں جاسکتی۔ نگاہ اور منکر کا عمل ظاہر ہے۔
 دراصل سارے کا سارا عمل فکر ہے۔ نگاہ محض ایک گنگناہی ہے۔ نگاہی کے ذریعے تجربہ
 عمل میں آتے ہیں۔ تم نگاہ کو تمام حواس پر قیاس کر لو۔ سب کے سب گونگے، اہلے اور
 اندھے ہیں۔ فکر ہی حواس کو سماعت اور بصارت دیتا ہے سمجھایا جاتا ہے کہ حواس فکر
 سے الگ کوئی چیز ہیں۔ حالانکہ فکر سے الگ ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ انسان محض فکر
 ہے۔ فرشتہ محض فکر ہے۔ جن محض فکر ہے۔ علیٰ خدا انقیاس ہر ذی ہوش نفس فکر ہے۔
 فرمایا کہ اس گفتگو میں ایک ایسا مقام آجانا ہے جہاں کائنات کے کئی راز سنسکت

ہو جاتے ہیں۔ غور سے سنو۔ ہمارے فکر میں بہت سی چیزیں ابھرتی رہتی ہیں۔ دراصل وہ
 باہر سے آتی ہیں۔ انسان کے علاوہ کائنات میں اور جتنے فکر ہیں جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا
 ہے، فرشتے اور جنات مان سے انسان کا تفکر بالکل ایک طرح کا اثر ہے۔ اس
 طرح انسان خود اپنے فکر سے متاثر ہوتا ہے۔ قدر کا چین یہ ہے کہ وہ لاتنا ہی
 فکر سے تنہا ہی فکر کو فیضان پہنچاتی رہتی ہے۔ پوری کائنات میں اگر قدرت کا فیضان
 جاری نہ ہو تو کائنات کے افراد کا درمیانی رشتہ کٹ جائے۔ ایک فکر کا دوسرے فکر کو
 متاثر کرنا بھی قدرت کے اس طرز عمل کا ایک جزو ہے۔ انسان باہر سے آتا ہے، جنات باہر
 سے آتی ہیں۔ فرشتے باہر سے آتے ہیں۔ تفکر تین قسم کے ہیں اور تینوں کائنات میں۔ مگر یہ تینوں موقوف
 نہ رہیں اور ایک فکر کی ہوسریں دوسرے فکر کو نہ ملیں تو ربط ٹوٹ جائے گا اور کائنات
 منہدم ہو جائے گا۔

ثبوت یہ ہے کہ ہمارا تفکر سمیٹا اور سمیٹا قسم کے تمام جموں سے فکری طور پر
 روشناس ہے۔ ساتھ ہی ہمارا فکر نور اور نور کی ہر قسم سے بھی فکری طور پر روشناس
 ہے۔ حالانکہ ہمارے اپنے فکر کے تجربات باہر سے ہیں۔ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ سمیٹا
 اور نور کے تجربات جنہی فکر سے ملے ہیں۔

عام زبان میں فکر کو آنا کا نام دیا جاتا ہے۔ اور آنا یا فکر ہی کیفیات کا مجموعہ
 ہوتا ہے جن کو عموماً طور پر فرد کہتے ہیں۔ اس طرح کی تخلیق ستارے بھی ہیں اور ذرے بھی۔
 ہمارے وجود میں یہ بات یا تو بالکل نہیں آتی یا بہت کم آتی ہے کہ فکر کے ذریعے ستاروں
 ذروں اور تمام مخلوق سے ہمارا خیال ہوتا رہتا ہے۔ ان کی انابنی فکر کی ہوسریں
 ہمیں بہت کچھ دیتی ہیں۔ اور ہم سے بہت کچھ لیتی ہیں۔ تمام کائنات اس وضع کے

تبادُل خیال کا ایک خاندان ہے۔ مخلوق میں فرشتے اور جنات ہمارے لئے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ تفکر کے اعتبار سے ہمارے زیادہ قریب ہیں اور تبادُل خیال کے لحاظ ہمارے زیادہ مانوس ہیں۔

نانا تاج الدین اس وقت ستاروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کہنے لگے کہ کشتی نقلیہ امول اور ہمارے درمیان بڑا مستحکم رشتہ ہے۔ بے درپے جو خلائق ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ دوسرے نظاموں اور ان کی آبادیوں سے ہیں وھول ہوتے رہتے ہیں۔ یہ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ روشنی کی جھوٹی بڑی شعاعیں خیالات کے لاشعور تصویر خانے لے کر آتی ہیں۔ ان ہی تصویر خانوں کو ہم اپنی زبان میں توہم و خیال تصور اور تصکر وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ سمجھا رہا ہوں کہ یہ ہماری اپنی اختراعات ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تمام مخلوق کی سوچنے کی طرز میں ایک نقطہ مشترک لگتی ہیں۔ وہی نقطہ مشترک تصویر خانوں کو جمع کر کے ان کا علم دیتا ہے۔ یہ علم نور اور سرور کے شعور پر منحصر ہے شعور جو اسلوب اپنی آنا کی مقدار کے مطابق قائم کرتا ہے تصویر خانے اس ہی اسلوب کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔

اس موقع پر یہ تبادُل خیال ضرور یہ ہے کہ تین نوعوں کے طرز عمل میں زیادہ اشتراک ہے۔ ان ہی کا تذکرہ مسٹر این پاک میں انسان، فرشتہ اور جنات کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ نوعیں کائنات کے اندر سارے کہکشاںی نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔ قدرت نے کچھ ایسا نظام قائم کیا ہے جس میں پرتوں نوعیں تخلیق کار بن گئی ہیں۔ ان ہی کے ذہن سے تخلیق کی ہر مین مسافت طے کر کے معین نقطہ پر پہنچتی ہیں تو کائنات کی مظاہر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

ایک انسان ہزاروں جسمیں میں یہ کہ چکا ہوں کہ گفت کرانا اور شخص ایک ہی چیز ہے۔ الفاظ کی وجہ سے ان میں معانی کا تسری نہیں کر سکتے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ گفت کر اور شخص ہیں کیا؟ یہ وہ سہمی ہیں جو لاشعور کی کیفیات کی شکلوں اور سراپا سے ہی ہیں۔ مثلاً بصارت، سماعت، بھکم، محبت، رحم، ایشا، رقرار، پرواز وغیرہ۔ ان میں ہر ایک کیفیت ایک شکل اور ایک سراپا رکھتی ہے۔ قدرت نے ایسے بے حساب سراپائے کر ایک جگہ اس طرح جمع کر دیئے ہیں کہ الگ الگ پرت ہونے کے باوجود ایک جان ہو گئے ہیں۔ ایک انسان کے ہزاروں جسم ہوتے ہیں۔ عملی حقیقت اس جنات اور فرشتوں کی بھی یہی ساخت ہے۔ یہ تینوں ساخت اس لئے مخصوص ہیں کہ ان میں کیفیات کے پرت دوسری انواع سے زیادہ ہیں۔

انسان لاشعور ستاروں میں آباد ہیں۔ اور ان کی فہمیں لگتی ہیں اس کا اندازہ قیاس سے باہر ہے۔ یہی بات جنات، اور فرشتے کے بارے میں کہہ سکتے ہیں۔ انسان ہوں، جنات، فرشتے، ان کے سراپا کا ہر سرور ایک پائندہ کیفیت ہے۔ کسی پرت کی زندگی چلی ہوتی ہے باخفی۔ جب پرت کی حرکت چلی ہوتی ہے تو شعور میں آجاتی ہے خفی ہوتی ہے تو لاشعور میں رہتی ہے۔ چلی حرکت کے نتائج کو انسان اختراع و ایجاد کہتا ہے لیکن خفی حرکت کے نتائج شعور میں نہیں آتے۔ حالانکہ وہ زیادہ عظیم الشان اور مسلسل ہوتے ہیں۔ یہاں یہ راز غور طلب ہے کہ ساری کائنات خفی حرکت کے نتیجے میں رونما ہونے والے مظاہر سے بھری پڑی ہے۔ البتہ یہ منظر ہر محض انسانی لاشعور کی پسند و ناپسند میں ہیں۔ انسان کا خفی کائنات کے دور و دراز گوشوں سے مسلسل رابطہ قائم نہیں رکھ سکتا۔ اس کمزوری کی وجہ انسان کے اپنے خصائص ہیں۔ اس نے اپنے

کس مقصد کے لئے پابہ لگایا ہے، یہ بات اب تک نوع انسانی کے شعور سے ماوراء ہے۔ کائنات میں جو تفکر کام کر رہا ہے اس کا تقاضا کوئی مخلوق پورا نہیں کر سکا جو زمانی، مکانی فاصلوں کی گرفت میں بے دست دہا ہو۔

کائنات زمانی مکانی فاصلوں کا نام ہے۔ یہ فاصلے اتنی چھوٹی بڑی مخلوط مسطوروں سے بنتے ہیں۔ ان لمحوں کا چھوٹا بڑا ہونا ہی تفسیر کہلاتا ہے۔ دراصل زمان اور مکان دونوں اس کی صورتیں ہیں۔ دھان جس کے بارے میں دنیا کم جانتی ہے اس مخلوط کا نتیجہ اور مظاہر کی اصل ہے۔ یہاں دھان سے مراد دھواں نہیں ہے۔ دھواں نظر آتا ہے اور دھان ایسا دھواں ہے جو نظر نہیں آتا۔ انسان ثبوت دھان کی اور جنات منفی دھان کی پیداوار ہیں۔ رہا فرشتہ، ان دونوں کے ملحق سے بنا ہے۔ عالمین کے یہ تین اجزائے ترکیبی غیب و شہود کے پائی ہیں۔ ان کے بغیر کائنات کے گوشے اسکانی موتح سے خالی رہتے ہیں۔ نتیجہ میں ہمارا شعور اور لاشعور حیات سے دور نلکھو دیں گم ہو جاتا ہے۔ ان تین نوعوں کے درمیان عجیب غریب کشمکش برسر عمل ہے۔ ثبوت دھان کی ایک کیفیت کا نام مٹھاس ہے۔ اس کیفیت کی کثرت دار انسانی خون میں گردش کرتی رہتی ہے۔ دھان کی منفی کیفیت نکلن ہے۔ اس کیفیت کی کثرت مقدار جنات میں پائی جاتی ہے۔ ان ہی دونوں کیفیتوں سے فرشتے بنے ہیں۔ اگر ایک انسان میں ثبوت کیفیت کم ہو جائے اور منفی بڑھ جائے تو انسان میں جنات کی تمام صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ اور وہ جنات کی طرح عمل کرنے لگتا ہے۔ اگر کسی جن میں ثبوت کیفیت بڑھ جائے تو اس میں نقل و زن پیدا ہو جاتا ہے فرشتہ پر بھی یہی قانون نافذ ہے۔ اگر ثبوت اور منفی کیفیات معین سطح سے اوپر آجائیں تو

ثبوت کے زور پر وہ انسانی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے اور منفی کے زور پر جنات کی۔ بالکل اسی طرح اگر انسان میں ثبوت اور منفی کیفیات معین سطح سے کم ہو جائیں تو اس سے فرشتوں کے اعمال صادر ہونے لگیں گے۔

طبیعی کار بہت آسان ہے۔ مٹھاس اور نمک کی معین مقدار میں کم کر کے فرشتوں کی طرح زمانی مکانی فاصلوں سے وقتی طور پر آزاد ہو سکتے ہیں۔ محض مٹھاس کی مقدار کم کر کے جنات کی طرح زمانی مکانی فاصلے کم کر سکتے ہیں۔ لیکن ان تدبیروں پر عمل پیرا ہونے کے لئے کسی روحانی انسان کی رہنمائی اشد ضروری ہے۔

شیر کی عقیدت ایک دن واک شریف کے جنگل پہاڑی بٹے پر چند لوگوں کے ہمراہ چڑھتے چلے گئے۔ نانا رحمتہ اللہ علیہ سکر کر کہنے لگے "یہاں جس کو شیر کا ڈر ہے وہ چلا جائے میں تو یہاں فدا اسی دیر آرام کروں گا۔ خیال ہے کہ شیر ضرور آئے گا۔ جتنی دیر قیام کے اس کی مرضی۔ تم لوگ خواہ مخواہ انتظار میں مبتلا نہ رہو۔ جاؤ، کھاؤ پو اور مزہ کرو"

بعض لوگ ادھر ادھر چھپ گئے اور زیادہ چلے گئے۔ میں نے حیات خاں سے کہا کیا اسادہ ہے؟ پہلے تو حیات خاں سوچا رہا۔ پھر زیر لب سکر کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے پھر سوال کیا "چلنا ہے یا تماشا دیکھنا ہے؟"

"بھلا بابا صاحب کو چھوڑنے میں کہاں جاؤں گا" حیات خاں بولا۔ گرمی کا موسم تھا۔ درختوں کا سایہ اور ٹھنڈی ہوا خما کے طوفان اٹھا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بٹ کر میں ایک گھنی جھاڑی تک پہنچے۔ پٹ گنا۔ چند قدم کے فاصلے پر حیات خاں اس طرح بیٹھ گیا کہ نانا تاج الدین کو کون آنکھوں سے دیکھتا رہے۔ اب وہ دبیز گھاس پر لیٹ چکے تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔ فضا میں بالکل

سننا پاچھا ہوا تھا۔ چند منٹ گزرے ہی تھے کہ جنگل بھیانک محسوس ہونے لگا۔ آدھ گھنٹہ، پھر ایک گھنٹہ۔ اس کے بعد بھی کچھ وقفہ ایسے گزر گیا جیسے شدید انتظار ہو۔ یہ انتظار کسی سا دھوکے کی جگہ کسی دلی کسی انسان کا نہیں تھا بلکہ ایک درندہ کا تھا۔ کم از کم میرے ذہن میں قدم قدم حرکت کر رہا تھا۔ یکایک نانا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نگاہیں توجہ ہو گئیں۔ ان کے ہروں کی طرف ایک طویل القامت شیر ڈھلان سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ بڑی آہستہ خرامی سے، بڑے ادب کے ساتھ۔

شیر خیمہ دانکھوں سے نانا تاج الدین کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ذرا دیر میں وہ پسروں کے بالکل قریب آگیا۔

نانا گہری نیند میں بے خبر تھے۔ شیر زبان سے تلوے چھو رہا تھا۔ چند منٹ بعد اس کی آنکھیں ستانہ داری سے بند ہو گئیں۔ سر زمین پر رکھ دیا۔

نانا تاج الدین ابھی تک سو رہے تھے۔

شیر نے اب زیادہ جرات کر کے تلوے چاٹنا شروع کر دیئے اس حرکت سے نانا کی آنکھ کھل گئی۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ شیر کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

کہنے لگے "تو آگیا۔ اب بڑی محنت بالکل ٹھیک ہے میں تجھے نذر دست دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اچھا اب جاؤ۔"

شیر نے بڑی ممنونیت سے دم ہلائی اور چلا گیا۔ میں نے ان واقعات پر بہت غور کیا۔ یہ بات کسی کو معلوم نہیں کہ شیر پہلے کبھی ان کے پاس آیا تھا۔ مجھ اور اس امر کا یقین کرنا پڑتا ہے کہ نانا اور شیر پہلے سے ذہنی طور پر ایک دوسرے سے روشناس تھے۔ اور روشناسی کا طریقہ ایک ہو سکتا ہے۔ انا کی جو لہریں نانا اور شیر کے درمیان رد و بدل

ہوتی تھیں وہ آپس کی اطلاعات کا باعث بنتی تھیں۔ عارفین میں کشف کی عام روش بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس واقعے سے معلوم ہوا کہ جانوروں میں بھی کشف اسی طرح ہوتا ہے کشف کے معاملے میں انسان اور دوسری مخلوق یکساں ہے۔

لہروں میں رد و بدل کا قانون یہ قانون بہت فکر سے ذہن نشین کرنا چاہئے کہ جس قدر خیالات ہمارے ذہن میں دوڑ کرتے رہتے ہیں ان میں بہت زیادہ ہمارے معاملات سے غیر متعلق ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق قریب اور دور کی ایسی مخلوق سے ہوتا ہے جو کائنات میں کہیں نہ کہیں موجود ہو۔ اس مخلوق کے تصورات لہروں کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ جب ہم ان تصورات کا جوڑ اپنی زندگی سے ملاتے ہیں تو ہزار کوشش کے باوجود ناکام رہ جاتے ہیں۔ انا کی جن لہروں کا ابھی تذکرہ ہو چکا ہے ان کے بارے میں بھی حسد بایش فکر طلب ہیں۔ سائنس دان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار قرار دیتے ہیں۔ لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ زمانی مکانی فاصلے کو منقطع کر دے۔ البتہ انا کی لہریں لاتنا بہت میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمانی مکانی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں "ان لہروں کے لئے زمانی مکانی فاصلے موجود ہی نہیں ہیں۔" روشنی کی لہریں جن فاصلوں کو کم کرتی ہیں انا کی لہریں ان ہی فاصلوں کو بچا لے خود موجود نہیں جانتیں۔

اسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ راقا ہے۔ آواز کی لہریں جن کے معنی معین کر رکھے جاتے ہیں سننے والوں کو مطلع کرتی ہیں۔ یہ طریقہ اصل ہی تبادلی کی نقل ہے جو انا کی لہروں کے درمیان ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ گونگا آدمی اپنے ہونٹوں کی خفیف کی جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے اور سمجھنے کے اہل سب کچھ سمجھ جاتے

ہیں۔ یہ طریقہ بھی پہلے طریقے کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو اپنے حال سے مطلع کرتے ہیں۔ یہاں بھی آنا کی ہر کام کرتی ہیں۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو صرت آواز سے نہ ہوتی بلکہ دور دراز ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں بھی رائج ہے۔ کیڑوں، حشرات، اشیاء کے ذروں میں سن جن اسی طرح تسلسلہ خیال ہوتا ہے۔ (تذکرۃ الفیض)

بابا تصنیف قلندر بابا اولیاء

درخت کی سرسبز شاخ آسانی سے ٹو جاتی ہے اور ہم اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق اس میں چمک پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کے عکس کو بھی ٹکڑی کے ساتھ ذرا آزمائی کرنے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ قدرت کا یہ فیضان جاری و ساری ہے۔ اور اللہ کے قانون کے مطابق:

”جو لوگ اللہ کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اجر اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔“

آپ اس قانون کا سہارا لے کر شبلی بیٹی سیکھ سکتے ہیں۔

امان اللہ بیچائی لائبریری

لیٹک نمبر DS/3-4 ہلاک

D ہاؤسنگ کمپلیکس ایرٹ

تاسم اتھارٹی سکراچی 7606



کیفیات و واردات سبق ۲

محمد جہانگیر تبسم، ڈیرہ اسماعیل خاں۔

۲۔ نمبر: شبلی بیٹی کی دوسری مشق کے دوران آنکھوں میں سے نور کی ہر سی نکلتی ہوئی محسوس کیں۔ نور کے ہلے نکلا ہوں کے سامنے آتے رہے۔ اور جاتے رہے۔ ایک بہت بڑی وسعت دکھائی دی۔ اور اس میں روشنی ہی روشنی پھیلی نظر آئی۔ مشق کے دوران آنکھوں کے ڈیلے بالکل ساکت اور جے ہوئے محسوس کئے۔

۲۱۔ نمبر: آنکھوں کے سامنے نور کی ہر سی کا ہجوم ہو گیا۔ اور نور سے دیکھنے پر ہر سیوں میں سمیتیں نظر آئیں۔ مشق کے دوران دماغ کو جھٹکا لگا۔ اور روشنی میں اضافہ ہو گیا۔ میں نے اپنے دماغ میں بہت زیادہ روشنی بھری ہوئی محسوس کی۔

۲۲۔ نمبر: آج خود کو خفا میں پرواز کرتے دیکھا اور دوران پرواز دیکھا کہ میرا دماغ روشنیوں سے بھرا ہوا ہے اور ماتھے پر نور کی بتی ہوئی ایک باطنی آنکھ بھی ہے۔ مشق کے بعد میں نے سونے کے لئے کیبل اپنے اوپر ڈالا تو کیبل کے اندر روشنی کا جھماکا ہوا جیسے کسی نے طوب لائٹ جلا دی ہو۔

خالد پرویز، کوئٹہ، بلوچستان۔

۱۔ فردری : سائنس کی مشق کرنے کے بعد مراقبہ شروع کیا تو نور کی بارش کا تصور بندھ گیا۔ ہر طرف نور برس رہا تھا اور میں اس بارش میں بیٹھا ہوا مشق کر رہا تھا۔ نور کی برسات ایسے تھنی جیسے دودھ کے چمک دار قطرے ہر طرف گر رہے ہوں۔ صبح سائنس کی مشق کے بعد مراقبہ میں پھر نور کا تصور بندھ گیا۔ اور نور کی موسلا دھار بارش مجھ پر گرتی رہی۔ اور ذہن میں مضامین بھی آتے رہے۔

رات کو خواب میں جو کچھ دیکھا دوسرے دن من و عن دہی واقعات رونما ہو گئے۔ جہاں ہوں کبھی پتلی کی مشقوں کا خواب سے کیا تعلق ہے۔

جب بھی نور کی بارش کا تصور کرتا ہوں اسے پوری شدت سے برسات دیکھتا ہوں۔ نور کی چمک دار بوندیں جسم پر جہاں بھی گرتی ہیں وہ جگہ روشن اور شفاف (TRANSPARENT) بن جاتی ہے یہاں تک کہ پورا جسم روشنیوں کا بنا ہوا نظر آتا ہے۔

نورانی بال

محمد رفیع مصطفیٰ، ایس ایل پور۔

۱۲۔ جنوری : آج دورانِ مشق سارا ماحول موسلا دھار بارش میں ڈوبا ہوا محسوس ہوا۔ خود اپنے اوپر بھی تیسرا اور چوتھی بارش برسنی ہوئی دیکھی۔ لیکن ارد گرد کا سارا ماحول بہت تیز اور لگا تار بارش میں ڈوبا ہوا نظر آتا رہا۔ ایسے لگا جیسے جسم ٹھیک رہا ہے اور سر کے بال نورانی بارش سے تر ہو گئے ہیں۔

۹۔ جنوری تا ۱۲۔ جنوری : ذہن پر عجیب قسم کی گردشیں چھائی رہی جیسے ذہن بالکل ہی خالی ہو اور کوئی بات بھی سوچنے پر آمادہ نہ ہو۔

گناہوں کی دلدل

محمد طارق، ڈی آئی خاں۔

۱۰۔ فردری : کھلی آنکھوں سے نور کی بارش کا تصور قائم ہوا لیکن پھر غنودگی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد مجھے اچانک جھٹکا لگا اور میں عالم بوش میں آ گیا۔ دیکھا کہ کمرے میں بے شمار روشنیاں پھیلی ہوئی ہیں۔

۱۱۔ فردری : دیکھا کہ ایک بہت بڑا گلاب کا پھول آسمان سے نور کے پانی میں اُترا۔ پھول ایک طرف سے دروازے کی طرح کھلا اور ایک بزرگ بن کے ارد گرد نور کا ایک ہالسا تھا اپنے ساتھیوں سمیت نکلے۔ پھول کا دروازہ بند ہو گیا وہ بزرگ اپنے ساتھیوں سمیت نور کے پانی میں چلتے ہوئے ایک جگہ آکر ٹھہر گئے۔ پھر آسمان سے ایک تاریک اور بڑا گلوب نیچے آیا۔ بزرگ نے جب کچھ پڑھ کر اس گلوب پر پھونکا تو وہ چمکنے لگا اور اس پر سورج طرح کے مناظر دکھائی دینے لگے۔ وہ بزرگ اور ان کے ساتھی ارد گرد دائرے کی صورت میں بیٹھ گئے۔ آواز آئی "تمہاری یہ دنیا گستاخوں کی دلدل میں گردن تک دھنسی ہوئی ہے۔ اس لیے اطمینانی کا شکار ہے۔ اگر تم صدقِ دل سے عبادت کرو اور تھوڑے روزوں کی کوئی طاقت نہیں شکست نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد وہ گلوب تاریک ہو گیا۔ بزرگ نے اسے اٹھایا اور آسمان کی جانب پھینک دیا۔ اور وہ بادلوں کی اوٹ میں غائب ہو گیا۔ اب پھول سے

دو حوریں نکلیں اور دروازے کے دونوں طرف کھڑی ہو گئیں۔ وہ بزرگ نے اپنے ساتیل
کے جیسے ہمارے دروازے کے قریب پہنچے، انہوں نے ادب سے دروازہ کھول دیا۔ ان
کے اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ پھر بند ہو گیا۔ پہلے تو وہ پھول پانی میں تیرتا رہا۔ پھر
آسمان کی جانب پرواز کر گیا۔ پھر وہی نور کی بارش سخی اور میں تھا۔

۱۰۔ فروری : جب شوق کرنے بیٹھا تو کمرے میں باوجود سخت اندھیرا ہونے کے
کمرے کی ہر چیز صاف نظر آنے لگی۔ دیکھا کہ آسمان نیلا ہے اور ایک نیلا بادل تیرتا ہوا
میرے سر پر آیا اور ایک طرف سے چھٹ گیا۔ جس سے بے شمار روشنی نکل اور قطروں
کی صورت میں تبدیل ہو کر برسنے لگی۔ اور پھر یہ موسلا دھار ہو گئی۔

نور کی بارش

روہی خان، کراچی۔

۷۔ جنوری : نور کی بارش کا تصور کیا تو دیکھا کہ سر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا
ہے اور نور کی بارش سر کے اندر ہو رہی ہے۔ نور اُبل اُبل کر باہر نکل رہا ہے۔ بلب
کی طرح کبھی جل جاتا ہے اور کبھی بجھ جاتا ہے۔

۱۱۔ جنوری : شوق کے دوران دیکھا کہ ایک بہت بڑی مسجد میں کچھ بزرگ
بیٹھے مقدس آیتیں پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے بھی دعوت دے کہ تم بھی پڑھو۔ میں بھی
ان کے ساتھ شامل ہو گئی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کسوں پڑھا ہوا ہے۔ جواب ملا تبارکی کامیابی
کے لئے۔

۸۔ فروری سے ۲۰۔ فروری تک : کھلی آنکھوں سے نور کی بارش کی شوق

کی۔ کافی حد تک کامیابی ہوئی۔ کبھی کبھی آنکھوں کے سامنے تیز روشنی نمودار ہوتی تھی اور
کبھی نور کی بارش کا تصور قائم ہو جاتا تھا۔ کل ۲۰۔ فروری کو سارے ماحول پر بارش کا
خوش گوار اثر دیکھا۔

منیرہ فاطمہ، لاہور۔

۶۔ جولائی : نور کی بارش کا تصور بہت آسانی سے قائم ہو گیا مگر جیسے ہی
چہرے پر بوندوں کے گرنے کا احساس اُجاگر ہوا بند آگئی۔ میں نے سارے دن اس
بات کو آزمایا ہے کہ جب چہرے پر نورانی بارش کی بوندیں گرتی ہیں مجھے نیند آ جاتی ہے۔
۱۲۔ جولائی : ایک عجیب سی روشنی دیکھتی ہوں۔ اس سے سارا گھر باکھر رہا ہے۔

ہو جاتا ہے۔ نور کی بارش کا جب تصور آتا ہے تو دوسکند کے اندر اندر اپنے آپ کو
بارانِ رحمت میں بھیگا ہوا پاتی ہوں۔ جسم میں ایک لطیف پھر مری آ جاتی ہے۔ اور کہتے ہی
گرم کمرے کوں نہ ہوں مجھے ٹھنڈک سی محسوس ہونے لگتی ہے اور بہت ہی لطیف آتا
ہے۔ جی چاہتا ہے کہ رحمت کی بارش میں کھڑی رہوں۔ کبھی کبھی تو جیسے ہی نور کی بارش
کی بوند جسم پر پڑتی ہے تو فوراً ہی ایک روشنی یا فلیش سی نظروں کے سامنے
چمک جاتی ہے۔ جسم میرا تقریباً پورے ہفتے ہی گرم گرم سا رہا۔ تقریباً لگا یا تو
بخار یا حرارت نہیں گئی۔

چراغ اور موم بتی

یادگار حسین، کراچی

۲۹۔ اکتوبر : مراقبہ میں کچھ دیر کے لئے نور کی بارش کا تصور بند رہا اور

پھر بدن کو جھٹکے گئے گے۔ ایسا محسوس ہوا جیسے دن نکلا ہوا ہے اور چاروں طرف روشنی پھیلی ہوئی ہے۔

۳۔ اکٹوبر: ایک روشن دائرہ آیا۔ اس کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے نگاہوں کے سامنے سے پردے ہٹتے جا رہے ہیں۔ روشن دائرے میں مختلف رنگ شکر نظر آئے۔ شمع کے بعد لیٹا تو محسوس ہوا کہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں کالے سیاہ بادل اور سفید رنگ بادل اگر ان میں شامل ہو رہے ہیں۔ ان بادلوں میں سے سفید شعاں نکلتے تھیں۔ اور ان کا رنگ تبدیل ہو کر سنہری ہو گیا۔ اگلے دن نوکر لپکا گیا تو مغرب سے پہلے وہی منظر دیکھا کہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں اور سورج ان کے پیچھے چھپا ہوا ہے اور سورج کی کرنوں کی وجہ سے بادلوں میں سے سنہری شعاں نکلتی رہی ہیں۔

۴۔ نومبر: دیکھا کہ ایک مزار ہے جس کا گنبد سفید ہے۔ اور نور اس پر دھارے کی صورت میں برس رہا ہے۔ خانہ کعبہ کی جھلک بھی نظر آئی۔ اس کے بعد دیکھا کہ دور ایک چراغ جل رہا ہے۔ یہ منظر آہستہ آہستہ قریب آ گیا اور میں نے دیکھا کہ ایک موم بجی جل رہا ہے۔ ایک عمارت نظر آئی اور پھر ایک مینار دکھائی دیا۔ کچھ لوگ نظر آئے۔ ان میں سے ایک شخص نے ایک عصا میری طرف بڑھایا۔ لیکن مجھے اسے لینے میں جھوک محسوس ہوئی اور پھر میں نے وہ عصا لے لیا۔

۵۔ نومبر: سانس کی شمع کے دوران روشنی کی ایک ٹی ٹوس خراج کی شکل میں نظر آئی۔ پھر کئی رنگ کی شیاں سامنے آتی رہیں۔ زرد، سرخ اور نیلگوں۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے نور کا دھارا نگاہوں کے سامنے آنے والا ہے۔

۱۔ نومبر: شمع کے دوران جسم کو کئی جھٹکے گئے۔ اور اتنی تیز روشنی پیدا ہوئی جیسے دن نکلا آیا ہو۔ میں نے اس روشنی میں دیکھا کہ ایک قطار میں کچھ بزرگ حضرات بیٹھے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے خود کو ایک ہنایت خوبصورت باغ میں موجود پایا۔ باغ میں ہر سے بھرے پردے اور پھل دار درخت لگے ہوئے تھے۔ کسی نامعلوم شخص نے موتیا کا ایک پردا جڑے اکھاڑ کر میری طرف بڑھایا اور کہا کہ اسے سونگھو۔ میں نے اسے سونگھا تو ایک عجیب قسم کی خوشبو محسوس کی۔ وہ خوشبو ہنایت تیز تھی اور اس کا اثر حیرت انگیز تھا چند لمحوں پہلے میرے دماغ پر جو بوجھ تھا وہ یکلخت ختم ہو گیا۔ اور میں نے خود کو پس کون محسوس کیا۔

۱۲۔ نومبر: ٹیلی پتھی کی شمع کے بعد لیٹا تو جسم کی حرکت ساکت ہو گئی۔ دوسرے لمحے میں نے خود کو حسلا میں موجود پایا۔ رنگ اور روشنی کی بارش ہو رہی تھی اور میں اس بارش کی زد میں تھا۔ میں نے رنگ و نور کی اس بارش کی جوت اپنے جسم پر محسوس کی۔ میں نے نیچے کی جانب دیکھا تو نظر آ یا کہ بارش ایک ہنر میں جمن ہو رہی ہے۔ اس وقت تیز ہوا چلنے لگی اور کہیں دور سے گھنٹیوں کی آواز سنائی دی جو کانوں کو بہت بلی لگ رہی تھی۔

بنت ہانکھوں کے سامنے روشنی کی لکیروں کا جال پھیل گیا اور دل کی طرح ایک بڑی ڈیرا نظر آئی جس میں کوئی کی طرح دروازہ بنا ہوا تھا۔ یہ دروازہ بار بار کھلتا اور طرح طرح کے مناظر دکھائی دیتے۔ دیکھا کہ ایک تالاب ہے اور اس میں ایک مچھلی تڑپ رہی ہے۔ مچھلی کو تڑپتے دیکھ کر یہ بات ذہن میں آئی کہ پانی کم ہے جس کی وجہ سے مچھلی غوطہ لگاتی ہے اور فرس سے نکل کر جاتی ہے۔ تالاب کے اندر دیواروں پر بیل بوٹے بٹھے تھے۔

۱۵۔ نومبر: ایک روشن دائرے میں خانہ کعبہ نظر آیا۔ اس کے چاروں طرف لوگ کھڑے ہوئے تھے اور آسمان سے باران رحمت کی طرح نور چاروں طرف

پھیل رہا تھا۔

محمد صفدر تاپانی، شیخوپورہ۔

مراقبہ میں دیکھا کہ واقعہ تائیں بارش میں بھیگ رہا ہوں۔ پھر یہ بوندیں اولوں کی طرح سفید بونی بن کر گرنے لگیں۔ جب یہ بونی میرے جسم سے ٹکرانے لگے محسوس ہوتا تھا جیسے ان کا مادی وجود نہیں ہے۔ بلکہ یہ روشنیوں سے بنے ہوئے ہیں۔ لیکن میں نے فوراً کہ ان قطروں کا لمس غمزہ محسوس کیا ہے۔ ایک اور فرق تھا اور وہ یہ کہ پانی کے قطروں سے ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے لیکن ان بوندوں کے گرنے سے سستی دھڑک رہی تھی۔ اس جاگ جاگ جاتا تھا۔

جھاڑو اور کمزور شخص

محمد منصور، یاغجان پورہ۔

۲۹۔ اپریل : بارش پانچ سبکداز تک نظر آتی رہی جو دو دھیان رنگ کی

مٹی اور ذہن اسے توراتی صورت میں دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔

آج خلافت معمول صبح بیدار ہو کر دوبارہ سو گیا۔ دیکھا کہ میرے کمرے میں سیاہ اور کمزور رنگت والا شخص جھاڑو دے رہا ہے۔ دیکھتے ہی اس غصے میں باہر آ گیا کہ اُسے میرے کمرے میں داخل ہونے کی جرات کیسے ہوئی۔ دوبارہ کمرے میں شکر کی بنا پر بگبدا۔ دیکھا کہ وہ میرے بوٹوں کے تیسے بڑی نفاست سے پرور رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا آپ غلط قسمے ڈال رہے ہیں۔ میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ کام کرتا رہا۔

بہو مٹی : آہستہ آہستہ نیلے بادل چھا گئے۔ آج بازو اور مرا ایسے ٹھنڈے

ہو گئے جیسے انہیں برست میں لگا دیا گیا ہو۔

لطیف آباد، حیدر آباد میں منبر احمد ۱۶۔ جولائی سے برابر نور کی بارش والی شوق کر رہے ہیں۔ لکھتے ہیں پہلے دو دن کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ البتہ ۱۸۔ جولائی کو مشق کے دوران سر میں شدید قسم کا درد ہوا۔ ۱۹۔ جولائی کو بھی مشق کے دوران یہ درد برابر ہوتا رہا۔ لیکن چونکہ اس بات کی وضاحت آپ نے کر دی تھی اس لئے میں نے کوئی خیال نہیں کیا۔

۲۰۔ جولائی کو جب مشق سے فارغ ہو کر میں بستر پر لیٹا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں دو بن گیا ہوں۔ میں نے تصور کی آنکھ سے دیکھا تو میرے برابر میں ایک اور منبر لیٹا ہوا تھا۔

علم کی درجہ بندی

محمد ارشد، کراچی۔

سوال: میں آپ سے چند سوالات کے جوابات چاہتا ہوں۔ آپ ان سوالات کے جوابات قرآن کریم کی روشنی میں دیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان سوالات کے جوابات سے روحانیت کے بعض گوشوں پر روشنی پڑے گی اور ایسے لوگ جن کے ذہنوں میں اس قسم کے سوالات پیدا ہونے ہیں وہ بھی مطمئن ہو جائیں گے۔

اگر ہم کئی قسم کے ذریعے اپنے خیالات دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں اور دوسرے کے خیالات معلوم کر سکتے ہیں تو ہم کئی قسم کی چیزیں جو کچھ کے سلسلے میں کیوں استعمال نہیں کرتے اور جاسوسوں کے ایجنٹوں سے کیوں واقف نہیں ہو جاتے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کسی روحانی استاد کی نگرانی میں مراقبہ کرنے سے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے تو ہم یہ کیوں نہیں پتہ کر سکتے کہ ہر دم معرکب اور کیوں تعمیر ہوئے اور ان میں استعمال ہونے والے اسٹنڈرڈز کی پیمائش کیسے کی جائے گی؟

جواب: دنیا میں رائج علوم کی اگر درجہ بندی کی جائے تو ہم انہیں تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:-

PHYSICS

۱۔ طبیعیات

PSYCHOLOGY

۲۔ نفسیات

PARA PSYCHOLOGY

۳۔ ما بعد النفسیات

علم طبیعیات کے ضمن میں زندگی کے وہ اعمال و اشغال آتے ہیں جن سے کوئی آدمی محدود دائرے میں رہ کر مستفیض ہوتا ہے یعنی اس کی سوچ کا محدود مادہ (MATTER) اور صرف مادہ ہوتا ہے۔ مادی دنیا کے اس خول سے وہ باہر نہیں نکلتا۔

نفسیات وہ علم ہے جو طبیعیات کے پس پردہ کام کرتا ہے۔ خیالات و تصورات اور احساسات کا تانا بانا اسی علم سے مرکب ہے۔ خیالات اگر تو اتر کے ساتھ علم طبیعیات کے دائرے میں منتقل ہوتے رہیں تو آدمی صحت مند خیالات کا پیکر ہوتا ہے اور اگر خیالات کے اس لائقہ ہی سلسلے میں کوئی خستہ درخت اور عظیم طبیعیات کا دائرہ اس خیال میں مرکوز ہو جائے تو آدمی نفسیاتی مریض بن جاتا ہے۔

علم ما بعد النفسیات، علم کی اس بساط کا نام ہے جس کو روحانیت میں مصدر اطلاعات یعنی SOURCE OF INFORMATION کہا جاتا ہے۔ علمی حیثیت میں یہ ایک ایسی ایجنسی ہے جو لاشعور کے پس پردہ کام کرتی ہے۔

اس اجسام کی تفصیل یہ جوتی کہ آدمی تین دائروں سے مرکب ہے۔ شعور، لاشعور اور ور اسے لاشعور۔ جب ہم کسی مظاہراتی خود و خال میں داخل ہوتے ہیں تو ہمیں ان تین دائروں میں سفر کرنا پڑتا ہے۔ یعنی پہلے ہم کسی چیز کی اطلاع ملتی ہے پھر اس اطلاع میں تصوراتی نقش و نگار بنتے ہیں اور پھر یہ تصوراتی نقش و نگار منظر کار و پیکار کے ہمارے سامنے آ جاتے ہیں۔ اسی بات کو ہم دوسری طرح بیان کرتے ہیں تاکہ بات پوری طرح واضح ہو جائے۔

کائنات میں پہلے ہوئے مظاہر میں اگر فکر کیا جائے تو یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ خیالات یعنی اسلار (INFORMATION) تمام موجودات میں قدر مشترک رکھتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ پانی کو ہر آدمی، ہر حیوان اور نباتات و جمادات پانی سمجھتے ہیں اور اسی طرح اس سے استفادہ کرتے ہیں جس طرح ایک آدمی کرتا ہے جس طرح پانی کو پانی کہا جاتا ہے اسی طرح آگ ہر مخلوق کے لئے آگ ہے۔ آدمی اگر آگ سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تو بکری، بکھڑ، شیر اور حشرات الارض بھی آگ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک آدمی سٹھاس پسند کرتا ہے، دوسرا طبعاً ٹھٹھی چیزوں کی طرف متوجہ نہیں لیکن یہ ہر دو اشخاص میٹھے کو میٹھا اور نمک کو نمک کہنے پر مجبور ہیں۔ یہی جگہ جہاں آدمی خیالات اور تسورات میں قدر مشترک رکھتے ہیں وہاں وہ خیالات میں اپنی مرضی اور مشارک کے مطابق محال پہناتے پر قدرت رکھتے ہیں۔ آپ کا یہ سوال کہ کیا ہم اپنے خیالات دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں اور کیا دوسروں کے خیالات معلوم کر سکتے ہیں اس کے جواب میں عرض ہے کہ آپس میں خیالات کی منتقلی کا نام یہی زندگی ہے۔ ہم اپنے سے علاوہ دوسرے فرد کو صرف اس لئے پہچانتے ہیں کہ اس کے شخص کے خیالات میں منتقل ہو رہے ہیں۔ اگر زید کے خیالات اور خیالات کا مجموعہ زندگی، بکر کے دماغ کی اسکرین پر نہ ہو تو بکر زید کو نہیں پہچان سکتا۔ درخت کی زندگی میں کام کرنے والی وہ لہریں جن کے اوپر درخت کا وجود قائم ہے اگر آدمی کے اندر منتقل نہ ہوں تو آدمی درخت کو نہیں پہچان سکے گا۔

شاہد اور مشہود دیکھنے اور سمجھنے کی طرز میں دو رخ ہر قائم ہیں۔ ایک براہ راست اور دوسری بالواسطہ۔ بالواسطہ دیکھنے کی طرز یہ ہے کہ ہم علمی اعتبار سے دو وجود کا تعین کرتے ہیں۔ ایک وجود شاہد یعنی دیکھنے والا، دوسرا وجود مشہود جو دیکھا جا رہا ہے۔ ایک

آدمی جب بکری کو دیکھتا ہے تو یہ الفاظ دیگر وہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں بکری کو دیکھ رہا ہوں یہ بالواسطہ دیکھنا ہے۔ دوسری طرز یہ ہے کہ بکری ہمیں دیکھ رہی ہے اور ہم بکری کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں یعنی بکری کی زندگی کو قائم کرنے والی لہریں ہمارے دماغ کی اسکرین پر بصورت اطلاع وارد ہوئیں۔ دماغ نے ان لہروں کو نقش و نگار میں تبدیل کیا اور جب یہ نقش و نگار شعور کی سطح پر نمودار ہوئے تو بکری کی صورت میں مظہر بن گئے۔ قانون روحانیت کی رو سے فی الواقع براہ راست دیکھنا ہی صحیح ہے اور بالواسطہ دیکھنا محض مفروضہ (FICTION) ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بہت زیادہ توجہ طلب ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور سے ارشاد فرماتے ہیں:

”اور تو دیکھ رہا ہے کہ وہ دیکھ رہے ہیں، تیری طرف، وہ کچھ نہیں دیکھ رہے“ آیت مقدسہ کے مفہوم پر غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ وہ دیکھ رہے ہیں لیکن باوجود دیکھنے کے وہ کچھ نہیں دیکھ رہے۔ حاصل کائنات، فخر موجودات سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدسی نفس شخص میں اللہ تعالیٰ کی جو تجلیات اور انوار کام کر رہے ہیں وہ لوگوں کی آنکھوں سے مخفی ہیں اور ان تجلیات اور انوار کو نہ دیکھتا اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد کے بموجب کچھ نہ دیکھتا ہے۔

اپنی حدود میں رہتے ہوئے براہ راست دیکھنے کی طرز رکھنے والے جن بندوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اندر موجود انوار و تجلیات کا شاہد کیا وہ حضور کے ہم خیال بن گئے۔ یہ بات الگ ہے کہ براہ راست دیکھنا کسی بندے میں قلیل تھا اور کسی بندے میں زیادہ۔

مثالی یعنی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جدوجہد اور کوشش کر کے براہ راست

دیکھنے کی طرز سے قریب ہو جائے۔ جن حد و دین وہ براہ راست طرز نظر سے وقوف حاصل کر لیتا ہے اسی مناسبت سے وہ اپنی جو خیالات بناتی ہیں اس کے سامنے آجاتی ہیں۔ یہ عجیب سبب سے دانستہ کہ پوری کائنات کے افراد اطلاعات اور خیالات میں ایک دوسرے سے ہم رشتہ ہیں۔ البتہ اطلاعات میں معانی پہنانا الگ الگ صفت ہے۔ بھوک کی اطلاع شیر اور بکری دونوں میں موجود ہے لیکن بکری اس اطلاع کی تکمیل میں گھاس اس کھاتی ہے اور شیر بھوک کی اس اطلاع کو پورا کرنے کے لئے گوشت کھاتا ہے۔ بھوک کے معاملہ میں دونوں کے اندر قدر مشترک ہے۔ بھوک کی اطلاع کو الگ الگ معانی پہنانا دونوں کا جدا جدا وصف ہے۔

آپ کا یہ سوال کہ ٹیلی پتھی کو جاسوسی میں کیوں استعمال نہیں کیا جاتا اور یہ کہ ٹیلی پتھی کے ذریعے سب سے زیادہ کیوں نہیں معلوم کئے جاتے، اس کے بارے میں ایسے شہاد موجود ہیں کہ پہناڑم کے ذریعے یورپ میں بڑے بڑے آپریشن کر دیئے جاتے ہیں اور مریض کو تکلیف کا احساس بالکل نہیں ہوتا، وغیرہ وغیرہ پہناڑم اور ٹیلی پتھی ایک ہی قبیل کے دو علم ہیں۔ ان کا منبع اور مخزن ایک ہے یعنی خیالات کے اوپر گرفت کا مضبوط ہونا۔

ایسے صاحب روحانیت جو ٹیلی پتھی کے قانون سے واقف ہیں وہ آزاد ذہن ہوتے ہیں۔ انہیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ جاسوسوں کو پکڑتے پھر میں اور پولیس کا کردار انجام دیں۔ البتہ یہ بات عام طور پر مشاہد سے میں آئی ہے کہ کوئی بندہ کسی صاحب روحانیت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس بندے کے دماغ میں جو کچھ تھا وہ انہوں نے دانستہ بغیر دانستہ طور پر یہ بیان کر دیا۔

اہرام مصر کی اور کیوں قائم ہوئے اور ان کو تیس لاکھ ترانے ہوتے تھے۔ اس سے کس طرح بنایا گیا جب کہ ہر چٹان کا وزن ستر ٹن ہے۔ اور یہ زمین سے نہیں چائیس فٹ کی بلندی پر نصب ہیں۔ اور ان اہرام کا فاصلہ کم سے کم پندرہ میل اور زیادہ سے زیادہ پانچ سو میل ہے یعنی جن پتھروں سے اہرام مصر کی تعمیر ہوئی وہ پانچ سو میل دور سے لائے گئے تھے۔

میرے بھائی! کسی صاحب مراقبہ کو یہ بات معلوم کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے لیکن ان کے سامنے اس سے بہت زیادہ ارفع و اعلیٰ رموز ہوتے ہیں اور وہ ان رموز کی تجلیات میں مجھ کو متفرق رہتے ہیں۔

ایک بزرگ رمپا (RAMPA) خیالات کی ہروں کے علم سے وقوف رکھتے ہیں۔ انہوں نے ماہرین آثار قدیمہ کے اصرار پر یہ انکشاف کیا ہے کہ میں ہزار سال پہلے کے وہ لوگ جنہوں نے اہرام مصر بنائے ہیں آج کے سائنس دانوں سے زیادہ ترقی یافتہ تھے اور وہ ایسی ایجادات میں کامیاب ہو گئے تھے جن کے ذریعے پتھروں میں سے کشش ثقل ختم کر دی جاتی تھی۔ کشش ثقل ختم ہو جانے کے بعد چٹانیں یا ٹوٹن وزنی چٹان ایک آدمی اس طرح اٹھا سکتا ہے جیسے پتھر سے بھرا ہوا ایک تیکر۔

اسی طرح سائنس کی دنیا میں ایک اور بزرگ جناب ایڈگر کیسی کے مطابق ان پتھروں کو ہوا میں تیرا کر (FLOAT) موجودہ جگہ بھیجا گیا ہے۔

اہرام مصر کے سلسلے میں ان دانشور بزرگوں نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہر دلی کی منتقلی کے اس قانون کے مطابق ہے جس کو ٹیلی پتھی کہا جاتا ہے۔

دامغی کشمش

ہمارے اسلاف میں ایک بزرگ شاہ ولی اللہؒ گزرے ہیں۔ ان کے ہاتھ اس برم میں توڑ دیے گئے تھے کہ انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ کیا تھا۔ شاہ صاحبؒ نے بتایا ہے کہ جسم انسانی کے اوپر ایک اور انسان ہے جو روشنیوں کی ہمسروں سے مرکب ہے جس کا اصطلاحی نام انہوں نے نسہ رکھا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے یہ بات واضح دلیل کے ساتھ بتائی ہے کہ اصل انسان نسہ یعنی AURA ہے۔ جتنی بیماریاں، لہجھیں اور پریشانیوں انسان کے اوپر آتی ہیں وہ نسہ میں ہوتی ہیں۔ گوشت پوست سے مرکب خالی جسم میں نہیں ہوتیں۔ البتہ نسہ کے اندر موجود کسی بیماری یا پریشانی کا منظر ہر جسم پر ہوتا ہے یعنی جسم دراصل ایک اسکرین ہے اور نسہ منسلک ہے۔ فلم میں سے اگر داغ دھبوں کو دور کر دیا جائے تو اسکرین پر تصویر واضح اور صاف نظر آتی ہے۔ بالفاظ دیگر اگر نسہ کے اندر سے بیماری کو نکال دیا جائے تو جسم خود بخود صحت مند ہو جائے گا۔

شاہ ولی اللہؒ نے اس بات کی بھی تشریح کی ہے کہ آدمی، اطلاعات، افکار، مشین یا خیالات کا مجموعہ ہے۔ صحت مندر خیالات پر کون زندگی کا پیش خیمہ ہیں۔ اس کے عکس، ضمیر، پریشانی، اعصابی کشاکش، دامغی کش کش اور نئی بیماریاں خیالات میں پیچیدگی،

پر اگندگی اور تخریب کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں۔ یہ سب سبھی چیزیں، خیالات یا اطلاع کو جاننے کا علم ہے اس لئے یہ علم سیکھ کر کوئی بندہ خود بھی انجمنوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہتا ہے اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

ٹیلی مینٹی کی علمی توجہ کے سلسلے میں ہم نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ کائنات میں موجود ہر شے کا قیام ہرول پر ہے۔ بالفاظ دیگر کائنات میں موجود ہر شے کی زندگی ہرول پر رواں دواں ہے اور ان ہرول کی معین مقداروں سے الگ الگ مخلوق تخلیق پاتی ہے معین مقداروں کے ساتھ کہیں یہ ہرول نکلائی بن جاتی ہیں، کہیں لوہا، کہیں پانی۔

مثال: ہم پانی کو دیکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ پانی ہے جب کہ ہمارے دماغ پر یا جسم پر پانی کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا یعنی ہمارا دماغ بھیگتا نہیں ہے۔ اسی طرت ہم پتھر کو پتھر کہتے ہیں جب کہ پتھر کا وزن ہمارا دماغ محسوس نہیں کرتا۔ بات وہی ہے کہ پانی کے اندر کام کرنے والی ہر شے کی سببی کے اصول پر جب ہمارے دماغ میں منتقل ہوتی ہیں تو ہم اس کو پانی کہہ دیتے ہیں۔

کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس چیز کے اندر کام کرنے والے اوصاف، اس کی حقیقت اور اس کی ماہیت سے وقوف حاصل ہو اور وقوف سے مراد یہ ہے کہ ہم نہ صرف ہرول کے علم سے واقفیت ہو بلکہ ہم یہ بھی جانتے ہوں کہ ہر شے بخود نہیں ہوتی، وہ متحرک ہوتی ہیں۔ اور ان کی حرکت زندگی کے اندر کام کرنے والا ایک تقاضا ہے۔ اور ان تقاضوں سے زندگی کے اجزاء مرتب ہوتے ہیں۔ ہر ہر اپنے اندر ایک دمعت رکھتی ہے اور اس دمعت کا نام ہم طاقت (FREQUENCY) رکھتے ہیں کسی طاقت سے فائدہ اٹھانا اس وقت ممکن ہے جب ہم اس کے استعمال سے

واقعہ ہوں۔ اسی وقت کو اللہ تعالیٰ نے حکمت کا نام دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اور ہم نے نعمان کو حکمت دی تاکہ وہ اسے استعمال کرے اور جو لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں انہیں ناکند و بے نچا ہے اور جو لوگ اس کا کفران کرتے ہیں وہ خسارے میں رہتے ہیں۔“

قرآن پاک پر ہی نور انسانی کے لئے منبع ہدایت ہے۔ جو لوگ حکمت کے قانون میں تعمق کرتے ہیں اور اس کی ماہیت میں اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں مرکوز کر دیتے ہیں ان کے اوپر طاقت کے استعمال کا قانون منکشف ہو جاتا ہے۔ اور نئی سے نئی ایجادات مظاہرین کر سامنے آتی رہتی ہیں۔ کبھی استعمال کا یہ قانون ایٹم بم بن جاتا ہے اور کبھی ریڈیو اور ٹیلی وئی کے روپ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اور ہم نے لوطا نازل کیا اور اس کے اندر لوگوں کے لئے بے شمار فوائد رکھ دیے۔“
غور و فکر کا تقاضا ہے اور اپنی بے بضاعتی پر آنسو بہانے کا مقام ہے کہ موجودہ سائنس کی ہر ترقی میں لوہے کا وجود زیر بحث آتا ہے۔ جن لوگوں نے لوہے کی خصوصیات اور اس کے اندر کام کرنے والی ہروں کو تلاش کر لیا۔ ان کے اوپر یہ راز منکشف ہو گیا کہ بلاشبہ لوہے میں نور انسانی کے لئے بے شمار فوائد مضمر ہیں۔

ایسے یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو محض ایصالِ ثواب اور حصولِ برکت کا ذریعہ بنا لیا ہے اور قرآن پاک میں تسخیر کائنات سے متعلق جو فارمولے بیان ہوئے ہیں ان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ جن لوگوں نے تسخیر کائنات سے متعلق فارمولوں کے

روزِ فطرت پر سریرِ چ کی اور اس کوشش میں اپنا زندگی کے ماہِ سال مشر کر دیئے انہیں اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا کی ہے
خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں ترا علاجِ نظر کے سوا کچھ اور نہیں

نیلی پیتی کا تیسرا سبق

یہ بات آپ جان چکے ہیں کہ ماورائی علوم سیکھنے کے لئے بطور خاص منتشر خیالات سے خود کو آزاد کرنا ضروری ہے۔ جب خیالات ایک نقطہ پر مرکوز ہو جاتے ہیں تو دماغ پاک سو ہو جاتا ہے۔ جن حشرات نے پہلے سبق کی تکمیل نہیں کی ہے انہیں چاہئے کہ پہلے سبق کی تکمیل کے بعد دوسرا سبق شروع کریں۔ اسی طرح جب تک دوسرے سبق کی تکمیل نہ ہو تیسرا سبق شروع نہ کیا جائے۔ ایک بات اور سمجھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے پانچوں انگلیاں برابر نہیں بنائی ہیں۔ جس طرح پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہیں اسی طرح ہر آدمی کی صلاحیت بھی الگ الگ ہے۔ کسی کے اندر صلاحیت بہت زیادہ ہے، کسی کے اندر صلاحیت زیادہ ہے اور کسی بندے کے اندر صلاحیت کم ہوتی ہے۔ کم صلاحیت لوگوں کو زیادہ صلاحیت لوگوں کی کایا بی سے خوش ہونا چاہئے۔

احساس کمتری میں مبتلا ہونا دراصل اپنی صلاحیتوں کو زنگ لگا دینے کے مترادف ہے۔ جن لوگوں کو کایا بی کم ہوتی ہے یا وہ ابھی تک کایا بیاب نہیں ہوئے ہیں انہیں بددلی ہونے کی بجائے اور زیادہ ذوق و شوق سے کوشش کرنی چاہئے۔ کایا بی یقینی ہے صفا ہمت مردان مدد خدا

ذہنی ایک سوئی حاصل کرنے کے لئے تیسرا سبق یہ ہے :-

دائیں ہاتھ کے انگلیوں سے سیدھے ہاتھ کے نٹھے کو بند کر لیں اور بائیں نٹھے سے سات سیکنڈ تک سانس کھینچ کر سیدھا نٹھا چھٹکا لے کر لیں اور پندرہ سیکنڈ کے بعد اٹے نٹھے سے سات سیکنڈ تک سانس باہر نکالیں۔ یہ ایک چکر ہو گیا یعنی سات سیکنڈ سانس لینا، پندرہ سیکنڈ سانس روکنا اور سات سیکنڈ باہر نکالنا۔ اسی طرح پندرہ مرتبہ اس عمل کو دہرایا جائے۔ یہ مشق بھی خالی معدہ صبح سویرے نٹھنے سے پہلے اور رات کو سونے سے پہلے خالی پیٹ کرنی چاہئے۔ مشق کرنے والے تمام طلباء و طالبات کو ہدایت کی جاتی ہے کہ رات کا کھانا بہت ہلکا اور سیرشام کھائیں۔ کھانے اور سانس کی مشق کے درمیان کم سے کم تین گھنٹے کا وقفہ ہونا ضروری ہے۔

سانس کی اس مشق کے بعد آلتی پالتی دگوتم بدھ کی نشست مار کر بیٹھ جائیں یا اس طرح بیٹھیں کہ اعصاب دھیلے اور سکون رہیں۔ اب اس تکبیر بند کر لیں اور یہ تصور کریں کہ ایک حوض ہے اور اس حوض میں پارہ (MERCURY) بھرا ہوا ہے اور آپ حوض میں پارہ کے اندر ڈوبے ہوئے ہیں۔ جب اس تصور میں گہرائی داخل ہو جاتی ہے تو پہلے پارے کا احساس مرتب ہوتا ہے اور جب یہ احساس گہرا ہوتا ہے تو دماغ پر ایک کا وزن محسوس ہوتا ہے۔ دماغ میں نفسی اثریں پھیلنے لگیں گی کی طرح چوتھی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جب بند انگلیوں سے یہ تصور قائم ہو جائے تو اس مشق کو کھلی انگلیوں سے کیا جائے اور دیکھا جائے کہ آپ خود اور یہ ساری دنیا پارے کے حوض کے اندر ڈوبی ہوئی ہے جب یہ بات مشاہدے میں آجائے تو سمجھ لیجئے کہ اس مشق کی تکمیل ہو گئی ہے۔

نوٹ : مراقبہ بہت کرنا کجا جائے کیوں کہ اس طرح بیند غالب آجاتی ہے اور وہ کیفیات جو بیداری میں سامنے آتی چاہئیں خواب میں منتقل ہو جاتی ہیں۔

اس سے نقصان پہناتا ہے کہ دماغ بیداری کی بجائے خواب دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے اور خواب میں دیکھی ہوئی باتوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ربط قائم رکھنا مشکل امر ہے۔

سائنس کا عقیدہ

ضوانہ

سوال: بقول آپ کے ٹیلی پیٹھی جاننے والا اگر ہر زبان سمجھ سکتا ہے اور دوسروں کے خیالات پڑھ سکتا ہے تو ایسا ہونا کس طرح ممکن ہے کیوں کہ ہمارا عام مشاہدہ یہ ہے کہ آدمی جب کوئی بات سوچتا ہے تو اس کی سوچ کا دائرہ مادری زبان کے الفاظ میں محدود ہوتا ہے مثلاً یہ کہ ہم انگریزی میں ایک مضمون لکھنا چاہتے ہیں اور ہماری مادری زبان اردو ہے تو مضمون کا خاکہ یا مضمون کے اندر مفہوم جو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں توہ ہمارے دماغ میں مادری زبان میں وارد ہوتا ہے۔ اور ہم اس مادری زبان کو انگریزی الفاظ کا جسامہ پہنا دیتے ہیں۔

جواب: سائنس کا عقیدہ یہ ہے کہ زمین پر موجود کچھ شے کی بنیاد یا قیام ایسا یا روشنی کے اوپر ہے۔ جب ہر شے شعاعوں یا لہروں کا مجموعہ ہے تو ہم شعاعوں یا لہروں کو دیکھتے یا سمجھتے بغیر یہ کیسے جان لیتے ہیں کہ یہ درخت ہے یا یہ پتھر ہے یا یہ چیز پانی ہے۔ ہم جب کوئی پھول دیکھتے ہیں تو ہمارے دماغ پر پھول سے متعلق خوبصورتی، خوشبو، ذرت و انبساط کا تاثر قائم ہوتا ہے حالانکہ ہم نے ابھی پھول کو نہ چھوا ہے، نہ سونگھا ہے۔ اسی طرح جب ایک ایسے آدمی کا چہرہ ہمارے سامنے آتا ہے جو طبعاً تحریک پسند ہے یا ہم سے مخالفت

رکھتا ہے تو اس آدمی کے خیالات سے ہم متاثر ہوتے ہیں اور ہماری طبیعت کے اوپر اس کا رد عمل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس کوئی آدمی ہم سے دلی تعلق رکھتا ہے، اسے دیکھ کر ہماری طبیعت میں اس کے لئے محبت اور انسان شناسی کے جذبات ابھرتے ہیں حالانکہ ان دونوں آدمیوں میں سے کسی نے بھی ہمارے ساتھ نہ کوئی بات کی ہے اور نہ میں کوئی نقص یا نفع پہنچایا ہے۔

دنیا میں ہزاروں زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن جب پانی کا تذکرہ ہوتا ہے تو ہر آدمی اُسے پانی سمجھتا ہے جس طرح ایک اردو داں اسے پانی سمجھتا ہے۔ اسی طرح دوسری زبانیں بولنے والے چل، آب، دائر، مار وغیرہ کہتے ہیں۔ لیکن پانی پانی ہے۔ جب کوئی انڈیا کسی انگریز کے سامنے لفظ درخت کہتا ہے تو اس کے ذہن میں درخت ہی آتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انگریز اس کو TREE کہتا ہے۔ دنیا کے کسی بھی خطہ پر جب ہم آگ کا تذکرہ کریں گے تو اس خطے پر بولی جانے والی زور زبان کچھ بھی ہو لوگ اُسے آگ ہی سمجھیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی چیز اپنی ماہیت، خواص اور اپنے افعال سے پہچانی جاتی ہے، نام کچھ بھی رکھا جائے۔ ہر چیز کو قیام پھر رہے۔ اسی لہجے کو روشنی کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ شیلی پیٹی کا اصل اصول بھی یہی ہے۔ جس طرح پانی بہوں اور روشنیوں کا مجموعہ ہے اسی طرح خیالات بھی بہوں کے اوپر رواں دواں ہیں۔ ہم جب کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہمارے خیالات کے اندر کام کرنے والی لہریں اس چیز میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم جب کسی آدمی کی طرف متوجہ ہو کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم پیاسے ہیں تو دوسرے آدمی اس بات کو سمجھ جاتا ہے حالانکہ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمیں پانی پلاؤ۔

درخت بھی گفتگو کرتے ہیں خیالات کو سمجھنے اور خیالات میں معافی پہنچانے کے لئے الفاظ کا سہارا لیا جاتا ہے لیکن اگر کائناتی لاشعور کا مطالعہ کیا جائے تو یہ عقیدہ کھلتا ہے کہ الفاظ کا سہارا لینا ضروری نہیں ہے۔ درختوں، چرواپوں، پرندوں، درندوں اور حشرات الارض کی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ یہ سب باتیں کرتے ہیں اور سب اپنے خیالات کو آپس میں رد و بدل کرتے ہیں۔ لیکن الفاظ کا سہارا نہیں لیتے۔ موجودہ زمانے نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اب یہ بات پوری طرح ثابت ہو چکی ہے کہ درخت بھی آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ درخت کو سختی سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اچھے لوگوں کے ساتھ سے درخت خوش ہوتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی قربت سے جن کے دماغ پیچیدہ اور تخریب پسند ہیں، درخت ناخوش ہوتے ہیں۔ یہ بات میں اپنے شاہد کی بنا پر لکھ رہا ہوں۔ میں نے ایسے گھر دیکھے ہیں کہ اُس گھر کے باہر کئی طرح پر نہایت پس ماندہ اور متعفن خیالات کے حامل تھے۔ اس گھر کے درختوں کے پتوں میں اور درختوں کی شاخوں میں ان کا عکس نظر آتا تھا۔ ان درختوں کو دیکھ کر طبیعت میں نکدر پیدا ہوتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ زبان دراصل خیالات ہیں اور خیالات ہی اپنے معنی اور مفہوم کے ساتھ نوع انسانی اور دوسری تمام نوعوں میں رد و بدل ہوتے رہتے ہیں۔ الفاظ کا سہارا اور اصل شعوری کمزوری کی علامت ہے۔ اس لئے کہ شعور الفاظ کا سہارا لئے بغیر کسی چیز کو سمجھ نہیں پاتا۔ جب کوئی بندہ بلی پیچھا کرے اصول و ضوابط کے تحت خیالات کی منتقلی کے علم سے وقوف حاصل کر لیتا ہے تو اس کے لئے دونوں باتیں برابر ہو جاتی ہیں چاہے کوئی خیال الفاظ کا سہارا لے کر منتقل کیا جائے یا کسی خیال کو لہروں کے ذریعے منتقل کر دیا جائے۔ ہر آدمی کے اندر ایسا کمپیوٹر نصب ہے جو خیالات کو معنی

اور مفہوم بہت اکرانگ الگ کر دیتا ہے اور آدمی اس مفہوم سے باخبر ہو کر اس کو قبول کرتا ہے بار دکر دیتا ہے۔

کیفیات و واردات سبق ۲

افتخار احمد نجی، سوہدرہ —

۱۸۔ اکتوبر: جب میں نے پارہ کے تالاب کا تصور کیا تو شروع شروع میں مجھے مسلسل نور کی بارش نظر آتی رہی کیوں کہ ذہن نور کی بارش کا عادی ہو چکا تھا۔ پھر تنقوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ یہ نور کی بارش مرکزی (پارہ) سے بھرے ہوئے تالاب میں گر رہی ہے۔ پھر یہ بارش گرنا بند ہو گئی اور میرے سامنے پارہ سے بھرا ہوا تالاب ہی رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں پارہ کے تالاب کو دیکھنے دیکھتے خود پارہ میں تبدیل ہو رہا ہوں۔

مشق کے دوران دیکھا کہ پارہ کے چھوٹے چھوٹے تالاب ہی تالاب پھیلے ہوئے ہیں اور میں ان کے اوپر سے اڑتا ہوا جا رہا ہوں۔ پھر میں ان میں سے ایک تالاب کے پاس گئے جن میں تالابوں اور اس سے دیکھنا شروع کر دیتا ہوں۔

۲۰۔ اکتوبر: مرکزی پارہ کی ایک بہت بڑی لہر زمین پر نمودار ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ساری زمین پر پھیل گئی۔ ہر کے گزرنے کے بعد زمین پر جا ہی چھوٹے چھوٹے گڑھے پڑ گئے جن میں مرکزی بھرا ہوا تھا۔ اس کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے میں اس میں ڈوبتا چلا جا رہا ہوں۔

۲۱۔ اکتوبر: میں نے خود کو پارے کے حوض میں ڈوبتے دیکھا۔ مجھے اس بارے کے حوض میں نیچے سے نیچے چلا جا رہا ہوں لیکن حوض کی گہرائی ختم نہیں ہوتی۔ پھر میں نے حوض کے اندر گہرائی میں ادھر ادھر اڑنا شروع کر دیا۔ اڑتے اڑتے حضور اکرمؐ کا روضہ اقدس میرے سامنے آگیا۔ میں نے دیکھا کہ ہمارے پیارے نبیؐ کا روضہ نور سے بھرا ہوا ہے اور درو دیوار سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ جب یہ کیفیت ٹوٹی تو دیکھا کہ آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں۔ پھر میں دوبارہ مراقبے میں چلا گیا۔ دیکھا ہوں کہ بارہ کے حوض کے اندر ایک بہت بڑا محل ہے جس کی ہر دیوار اور ہر چیز سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ حتیٰ کہ محل کے اندر جو بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں ان کی پیشانی اور وارثی بلکہ سارے جسم سے نور کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ میری آنکھیں اتنی زیادہ روشنی کی تاب دلا کر خیر ہو گئیں اور مراقبہ ختم ہو گیا۔

۲۲۔ اکتوبر: مراقبہ میں حوض کا تصور قائم کیا تو حوض کی بجائے میرے سامنے بارہ کا وسیع سمندر آگیا۔ اس کی شعاعیں بہت چمک دار تھیں اور ان سب شعاعوں کا رنگ مرکری جیسا تھا۔ اس دوران کسی نے زور سے دستک دی اور مراقبہ ٹوٹ گیا۔ پھر میں نے دوبارہ مراقبہ شروع کیا تو بہت آسانی سے میری آنکھوں کے سامنے بارہ کا حوض آگیا۔ میں نے دیکھا کہ اس حوض میں بارہ کا ایک نالہ آکر گر رہا ہے۔ میں نے اس نالہ کے اوپر ادھر شمال کی طرف اڑنا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر بعد میں بارہ سے بھرے ہوئے ایک سمندر میں پہنچ گیا۔ اس کی شعاعوں کا رنگ حوض کی شعاعوں سے زیادہ چمک دار تھا۔

۵۔ نومبر: ٹیلی پیتی کے تیسرے سبق کی مشق کر رہا تھا کہ میں نے خود کو پارہ (مرکری) کے وسیع اور لامحدود سمندر میں ڈوبے ہوئے محسوس کیا۔ اس کے بعد میں نے اپنے ذہن کو بہت ہلکا محسوس کیا اور دیکھا کہ میں زمین کے اوپر پرواز کر رہا ہوں اور میرے نیچے کھیت ہیں جن میں لوگ کام کر رہے ہیں۔ اڑتے اڑتے نظر دلوں کے سامنے پارہ سے بھری ہوئی ایک نہر آگئی جس میں سے مرکری لائٹ کی بسریں نکل رہی تھیں۔

۹۔ نومبر: خود کو مختلف علاقوں میں سیر کرتے ہوئے پایا۔ نظر آنے والے دو چیزوں میں قدرت کے دل فریب مناظر، بارون اور گیلگاتے شہر، خوبصورت عبادت گاہیں، ندیاں اور کئی کئی مندر خوبصورت عمارتیں شامل تھیں۔ یہ سب چیزیں ذہن میں خود بخود ہی منتقل ہو گئیں۔ مجھے آج پتہ چلا کہ ذہنی سکون کیا ہے۔

دروازہ کھلا

سید اصغر علی لفر، گوجرانوالہ

۶۔ نومبر: ٹیلی پیتی کی مشق کے دوران خود کو ایک صحرا میں کھڑے دیکھا اتنے میں سفید لباس میں لباس دو نہایت حسین عورتوں پر نظر پڑی جو مجھے خاصے پر کسی کام مشغول تھیں۔ میں ان کے قریب پہنچا تو انہوں نے مجھ پر ایک آتشنی نظر ڈالی اور دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ زمین پر سے مٹی چن رہی ہیں میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں نے مجھے کیوں دیکھا؟ انہوں نے کہا کہ میں اپنی سسری سامنے کا انتظار تھا، وہ ابھی تک نہیں آئی ہے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ ان کا وہ سب کچھ

بھی آگئی۔ اور وہ تینوں ادھر کی طرف پرواز کر گئیں۔ میں نے بھی ان کے تعاقب میں
اڑنا شروع کر دیا اور ان کے پیچھے پیچھے ایک بہت خوبصورت دروازے تک
جای پہنچا۔ عورتوں نے دستک دی، وہ سپاہیوں نے دروازہ کھولا اور وہ اندر داخل
ہو گئیں۔ سپاہیوں نے مجھے روک دیا لیکن ان عورتوں نے سپاہیوں سے کہہ کر مجھے
اندر آنے دیا۔

دروازے کے اندر ایک رنگ مٹی میں کے دونوں طرف دو دروازے اور قوارے
لگے ہوئے تھے۔ قواروں سے پانی اُبل کر مرگ پر گر رہا تھا۔ ہم اس مرگ پر آگے بڑھتے
گئے۔ لیکن قوارے کے پانی سے بھیگے نہیں۔

آخری تالاب

نور احوال، راولپنڈی

۳۔ مٹی : تصور قائم نہیں ہو رہا تھا۔ اگر کبھی ہوتا تو جلد ہی ٹوٹ جاتا۔ سوچا
کہ قلندر بابا سے مدد لینی چاہئے۔ یہ سوچا ہی تھا کہ قلندر بابا تشریف لائے۔ آپ نے
آتے ہی مجھے ایک زوردار پیٹھ مارا جس کی چوٹ سے میں گر گیا۔ دیکھا وہ پارے سے بھرا
تالاب تھا جس میں میں گر گیا تھا۔ اور یوں تصور قائم ہو گیا۔

۴۔ مٹی : تصور قائم ہوا تو دیکھا کہ قلندر بابا ادبیا مسکراتے ہوئے تشریف
لائے۔ سامنے ایک تالاب ہے۔ فرمایا اس میں کود جاؤ۔ جب میں اس میں داخل ہوتا ہوں
تو تالاب کے اندر سے ایک مگر مجھ باہر نکلتا ہے۔ میں اس تالاب سے باہر نکلتا ہوں تو
آپ مسکراتے ہوئے مجھے ایک دوسرے تالاب میں لے جاتے ہیں۔ یہاں سنہری رنگ

کی چھیلیاں تیر رہی ہوتی ہیں۔ میں بھی وہاں پر تیرتا ہوں۔ آج ہر طرف پارہ ہی پارہ دیکھا لیکن
پارے کے سمت میں چھیلیاں، مگر مجھ اور کچھوے وغیرہ نظر آئے۔

۲۔ جون : شومی قسمت سے آج چھت پر مراقبہ شروع کیا۔ دس منٹ بھی
نہ گزرے تھے کہ تیز آندھی چلنے لگی۔ پھر نیچے آکر مراقبہ شروع کیا۔ پہلے عیسائی کیسوی قائم نہ
ہو سکی تاہم محدود کیفیت کے اندر ایک تالاب پارے سے بھرا ہوا نظر آتا رہا۔ بے دلی کے
ساتھ مراقبہ ختم کر دیا۔

۵۔ جون : سانس والی مشق کے دوران خیالات آتے رہے جو مٹی کا تصور
کیا تو ایک چھوڑ سات کے قریب تالاب نظر آئے۔ آخری تالاب سب سے چھوٹا تھا اور
پہلا تالاب سب سے بڑا تھا۔ میں اس میں غوطہ کھا کر نیچے بیٹھ گیا۔

۶۔ جون : حوض کا تصور کیا تو لفظ اللہ نظر آیا۔ جس کے اندر پارے
سے بھرے ہوئے تنوکے قریب حوض ہوں گے۔ پھر جانک لفظ اللہ، مُحَمَّدٌ میں
تبدیل ہو گیا۔ پھر یہ بھی تبدیل ہو کر الف (ا) بن گیا۔ میں اس کے اندر جذب ہو کر
باہر آیا تو دیکھا ہوں الف پھیل کر لمبائی میں افق تک پہنچ گیا ہے۔ پھر اس میں سے
لاوے کی طرح پارہ اُبلنے لگا۔ پھیلنے ہوئے اس پارے میں درخت بھی ڈوب گئے۔

دانا گنج بخش کا منزار

ایک طالب

پارے کے حوض میں ڈوب جانے کی مشق کی تو دماغ پر بوجھ ہو گیا۔ پارے
کے حوض کا تصور بن کر رہ جاتا ہے اور کبھی کافی اچھا تصور ہو جاتا ہے اور کبھی مشکل

سے ختم ہے اور پارے کا حوض کبھی کبھی اتنا اچھا لگتا ہے کہ دل چاہتا ہے کہ اس میں ڈلی رہوں لیکن دماغ پر پارے کا وزن کافی محسوس ہوتا ہے۔ اور طبیعت بکتر رہی ہو جاتی ہے، نیز اس نعمت میں نیست گئی آجاتی ہے۔

مراقبہ میں دیکھا کہ حضرت داتا گنج بخش کے مزار کی جالیوں میں نور کی کرنیں جمع ہو رہی ہیں۔ دیواریں بہت خوب صورت اور دیدہ زیب ہیں اور ان پر کوئی آیت لکھی ہوئی ہے اور میں اس کو سمجھنے اور پڑھنے کی کوشش کر رہی ہوں مگر شدت جذبات سے اندر رونے کی وجہ سے سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ یہ کیا ہے۔

۳۔ اپریل: ایسا محسوس ہوا جیسے گردن سر کا بوجھ نہیں سنبھال سکے گی۔ بہر حال مشق جاری رکھی اور پارے کے حوض کا تصور قائم ہو گیا۔ اور دیکھا کہ میں رسول خدا کے پاسے مبارک سے ہٹ کر خوب رو رہی ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے سر پر اپنا دست پاک دھڑکھڑکھ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں "خدا تمہیں کامیابی دے گا۔"

آگ کی لپٹ

محمد عمران کلید

رات کو مراقبہ کیا تو شوقی مزاحمت اس حد تک بڑھ گئی کہ سر ایک بھاری بھر محسوس ہونے لگا۔ اس کے بعد مطلع صاف ہوا تو دیکھا کہ پارے کی ایک بڑی ہلکائی اور پوری دنیا اس کے اندر ڈوب گئی۔ جب وہ ہلکائی تو پارے کے کئی حوض دیکھے۔ پھر دیکھا کہ ایک بڑی ہلکائی جس کے اوپر نور تھا اور نیچے پارہ۔ نے پوری دنیا

کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ کئی بار دنیا کے گرد گھومی۔

۱۰۔ جنوری: آج مراقبہ شروع کیا تو دیکھا کہ پوری دنیا ایک چھوٹے گوڑے کی شکل میں تبدیل ہو کر پارہ کے حوض میں ڈوبی ہوئی تیر رہی ہے۔ پھر میں نے خود کو زمین کے ساتھ پایا اور پوری دنیا پارے میں ڈوبی ہوئی نظر آئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا پلنگ پارہ پر سوار اور دھڑول رہا ہے اور پارہ کی اہریاں مجھ سے ٹکرا رہی ہیں۔

۱۱۔ فروری: مجھے کھلی آنکھوں سے اپنا دل نظر آیا۔ اس کے اندر دیکھا تو پوری دنیا پارہ کے حوض میں ڈوبی ہوئی نظر آئی۔ ساری دنیا میں پارہ کا طوفان اٹھا ہوا ہے اور ہر طرف لیلیٰ آئی ہوئی ہے۔ آہستہ آہستہ اس نعمت میں گہرائی بڑھتی گئی اور ساتھ ساتھ سر پر ایک بوجھ محسوس ہوا۔ کنپٹیوں پر ایسا لگا کہ ان پر درد کی ٹیسلیں ٹپ رہی ہیں۔ پھر یہ ٹیسیں ختم ہوئیں اور میں سو گیا۔

۱۲۔ فروری: آج مراقبہ شروع کرنے سے پہلے سانس کی مشق کی تو بخوبی سہی گرمی شروع ہوئی جو ہر سانس کے ساتھ بڑھتی ہی گئی۔ آخر سانس نکالتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ میری سانس کے ساتھ آگ کی پست نکل رہی ہے اور ریڑھ کی ہڈی میں کوئی چیز جل رہی ہے۔ پھر مراقبہ کیا تو حسب معمول فوراً ہی تصور بند ہو گیا اور طبیعت بے سکون ہو گئی۔

ہمدایت:

مراقبہ کرنے سے پہلے ایک گلاس پانی میں شہد گھول کر پی لیا کریں۔ پانی آہستہ آہستہ گھونٹ گھونٹ کر بے پیس۔ کھانوں میں نمک کی مقدار کم کر دیں۔

باطنی آنکھ

راجہ محمد نوید، لاہور

سوال: میں نے ٹیلیویشن کی جتنی کتابیں پڑھی ہیں سب میں ہدایت کی گئی ہے کہ ٹیلیویشن کی مشینیں شمال رُخ نہ کر کے کی جائیں۔ مثلاً یقین ٹیلیویشن کے لئے آپ نے اب تک جتنے اسباق لکھے ہیں ان میں سے کسی بھی سبق میں سمتوں کے تعین کے بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا۔ سوال یہ ہے کہ مشینوں کے دوران شمال رُخ نہ کر کے بیٹھا اگر فردی ہے تو اس کی کیا وجہ ہے اور آپ نے سمتوں کا تعین کیوں نہیں کیا؟

جواب: آدمی کے اندر دو دماغ کام کرتے ہیں۔ ایک دماغ ظاہر جو اس بناتا ہے اور دوسرا دماغ ظاہر جو اس کے پس پردہ کام کرنے والی اس کی جینس کی تحریکات کو منظم پر لانا ہے جو ظاہر جو اس کے الٹ ہے۔ جن حواس سے ہم کشتی نقل میں متجدد چیزوں کو دیکھتے ہیں اس کا نام شعور ہے اور جن حواس میں ہم کشتی نقل سے آزاد ہو جاتے ہیں اس کا نام لامشعور ہے۔ شعور اور لامشعور دونوں ہر دماغ پر قبضہ پذیر ہیں۔ شعوری حواس میں کام کرنے والی ہر مثلث (TRIANGLE) ہوتی ہیں۔ اور لامشعوری حواس میں کام کرنے والی ہر دایرہ (CIRCLE) ہوتی ہیں۔

زمین کی حرکت دو رُخ پر قائم ہے۔ ایک رُخ کا نام طولانی حرکت ہے اور

دوسرے رُخ کا نام محوری حرکت ہے۔ یعنی زمین جب اپنے مدار پر سفر کرتی ہے تو وہ طولانی گردش میں چمپی ہو کر چلتی ہے اور محوری گردش میں ٹوکی طرح گومتی ہے۔

ہر نظر پر دو رُخ پر قائم ہے۔ ایک رُخ ہمیں گوشت کی آنکھ سے نظر آتا ہے اور دوسرا رُخ ہم باطنی آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ دو رُخ دراصل دو حواس ہیں۔ حواس کے ایک رُخ کا نام شعور اور دوسرے رُخ کا نام لامشعور ہے۔ شعوری حواس میں ہم ٹائم اسپیس (TIME and SPACE) میں بسند ہیں اور لامشعوری حواس میں ہم ٹائم اسپیس سے آزاد کر دیتے ہیں۔

یہ دونوں حواس ایک ورق کی طرح ہیں۔ ورق کے دونوں صفحات پر ایک ہی تحریر لکھی ہوئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ورق کے ایک صفحہ پر عبارت ہمیں روشن اور واضح نظر آتی ہے اور دوسرے صفحہ پر دھندلی اور غیسر واضح نظر آتی ہے۔ دھندلی اور غیسر واضح تحریر لامشعور ہے۔

ہم جب کوئی مادی چیز دیکھتے ہیں تو دراصل صفحہ کی دھندلی تحریر کا عکس ہوتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ وہ نظر جس کو تیسری آنکھ کہا جاتا ہے، کھل جاتی ہے۔ چونکہ اس طرح دیکھنا ہماری روزمرہ دیکھنے کی عادت کے خلاف ہے، اس لئے شعور پر ضرب پڑتی ہے۔ اس عادت کو معمول پر لانے کے لئے ہمیں شعوری حواس کے ساتھ لامشعوری حواس کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ جیسے جیسے ہم لامشعوری حواس دیکھنے کے قابل ہوتے ہیں، شعور کی طاقت میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

جبکہ عرض کیا گیا ہے زمین اپنی طولانی اور محوری گردش میں چل رہی ہے۔ طولانی گردش TRIANGLE ہے اور محوری گردش دائرہ (CIRCLE) ہے۔

ہماری زمین پر تین مخلوق آباد ہیں۔ انسان، جنات اور ملائکہ عنقریب۔ انسان کی تخلیق میں حیثیت گوشت پرست، مثلث غالب ہے۔ اس کے برعکس جنات میں دائرہ غالب ہے اور فرشتوں کی تخلیق میں جنات کے مقابلے میں دائرہ زیادہ غالب ہے۔ انسان کے جسم دو رخ ہیں۔ غالب مثلث اور مغلوب رخ دائرہ۔ جب کسی بندہ پر مثلث کا غلبہ کم ہو جاتا ہے اور دائرہ غالب آجاتا ہے تو وہ جنات، فرشتوں اور دوسرے ستاروں میں آباد مخلوق سے متعارف ہو جاتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ متعارف ہو جاتا ہے بلکہ ان سے گفتگو بھی کر سکتا ہے۔ طوائف گردش مشرق اور مغرب کی سمت میں سفر کرتی ہے اور بخوری گردش شمال سے جنوب کی طرف رواں دواں ہے۔

شیل کی بیٹی اور ماورائی علوم حاصل کرنے کے لئے شمال کی سمت اس لئے متعین کی جاتی ہے کہ شمال جنوب میں سفر کرنے والی تخلیقی ہڈی کا وزن صاحب مشق کے شعور پر کم سے کم پڑے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی دریائیں اپنے ارادے سے اترتا ہے تو اس کے جو اس سطح نہیں ہوتے لیکن اگر کسی آدمی کو بے خبری میں دھکا دے دیا جائے تو اس کے حواس غیبی متوازن ہو سکتے ہیں۔ خود اختیار کی عمل سے انسان بڑی سے بڑی افتاد کاہنٹے کیلئے مقابلہ کر لیتا ہے جب کہ ناگہانی طور پر کسی افتاد سے وہ پریشان ہو جاتا ہے۔

ہم نے کسی سمت کا تعین اس لئے نہیں کیا ہے کہ اب تک شیل کی بیٹی کا سبق براہ راست پیش نہیں کیا گیا ہے۔ جتنے اسباق شائع ہوئے ہیں ان کا منشار ذہنی ایک سوئی پیدا کرنا ہے۔ ذہنی ایک سوئی حاصل کرنے کے لئے سمت کا تعین ضروری نہیں ہے۔

تصور کی صحیح تعریف

جمشید احمد و محمد صفدر، راولپنڈی

سوال: آپ نے شیلی بیٹی کی جو مشقیں تجویز کی ہیں ان میں تصور کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ تصور سے آپ کی کیا مراد ہے اور تصور کی صحیح تعریف کیا ہے؟ کیا مشق کے دوران خود کو ترغیبات دینا ہے کہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ روشنی یا نور کا سمندر ہے اور ساری کائنات اس نور میں ڈوبی ہوئی ہے یا تصور سے کچھ اور مراد ہے؟

جواب: روزمرہ کا مشاہدہ یہ ہے کہ ہم جب کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو وہ چیز یا اس کے اندر عنایت ہمارے اوپر آشکارا ہو جاتی ہے۔ کوئی چیز ہمارے سامنے ہے لیکن ذہنی طور پر ہم اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں تو وہ چہرہ ہمارے لئے بسا اوقات کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ہم گھر سے دفتر جانے کے لئے ایک راستہ اختیار کرتے ہیں۔ جب ہم گھر سے روانہ ہوتے ہیں تو ہمارے ذہن کی مرکزیت صرف دفتر ہوتا ہے یعنی یہ کہ اس وقت مقررہ پر دفتر پہنچنا ہے اور وہاں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی ہیں۔ اب راستہ میں بے شمار مختلف انواع چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں اور انہیں ہم دیکھتے ہیں لیکن دفتر پہنچنے کے بعد کوئی صاحب اگر ہم سے سوال کریں کہ راستے میں آپ نے کیا کچھ دیکھا تو اس بات کا ہمارے پاس ایک ہی جواب ہوگا کہ ہم نے

دھیان نہیں کیا حالانکہ چیزیں سب نظر کے سامنے سے گزریں لیکن چونکہ کسی بھی چیز میں ذہنی مرکزیت قائم نہیں تھی اس لئے حلقہ پر اس کا نقش مرتب نہ ہو سکا۔

قانون یہ بتا کر جب ہم کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو وہ چیز اور اس چیز کے اندر مضمونیت ہمارے اوپر منکشف ہوتی ہے۔ ہم کوئی کتاب پڑھتے ہیں جو بہت دلچسپ ہے۔ دلچسپی کی بنا پر کئی گھنٹے گزر جاتے ہیں۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم نے اس کتاب کا مطالعہ چار یا پانچ گھنٹے کیا ہے تو ہمیں یقین نہیں آتا لیکن چونکہ گھڑی ہمارے سامنے ہے اس لئے ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں۔ اس کے برعکس ایک ایسی کتاب آپ پڑھتے ہیں جس کا مضمون آپ کی دلچسپی کے برعکس ہے تو پانچ دس منٹ پڑھنے کے بعد ہی طبیعت پر پوچھ محسوس ہونے لگتا ہے اور بالآخر وہ کتاب چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ مثال سے دوسرا قانون یہ بتا کر ذہنی مرکزیت کے ساتھ ساتھ اگر دلچسپی بھی قائم ہو تو کام آسان ہو جاتا ہے۔ جہاں تک دلچسپی کا تعلق ہے اس کی حدود اگر متعین کی جائیں تو وہ دور رخ پر قائم ہیں جن کو عرف عام میں ذوق و شوق کہا جاتا ہے یعنی ایک طرف کسی چیز کی مضمونیت کو تلاش کرنے کی جستجو ہے اور دوسری طرف اس جستجو کے نتیجے میں کوئی چیز حاصل کرنے کا شوق ہے۔

ذوق اور شوق کے ساتھ جب کوئی بندہ کسی راستہ کو اختیار کرتا ہے تو وہ راستہ دین کا ہوا دنیا کا، اس کے نتائج مثبت مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً مضمون کی مشغولیت میں تصور کا منشا یہی ہے کہ آدمی ذوق و شوق کے ساتھ ذہنی مرکزیت اور اس کے نتیجے میں باطنی علم حاصل کرے۔ چونکہ یہ علم کتابی علم نہیں ہے اس لئے اس علم کو یکسکھنے کے لئے ایسے طریقے اختیار کرنا لازم ہیں جو موجب طریقوں سے بالا ہوں۔ روح نور ہے، روشنی ہے روحانی

علوم بھی نور ہیں، روشنی ہیں۔ نور یا لہروں کا عالم نور یا لہروں کے ذریعے ہی منتقل ہو سکتا ہے ہم جب نور کا تصور کرتے ہیں تو نور کی لہریں یا ہم روحانیت کی روشنیوں ہمارے ذوق و شوق کے مطابق ہمارے اندر منتقل ہونے لگتی ہیں۔

تصور کی مشغولیت سے بھرپور فوائد حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ صاحب مشق جب آنکھیں بند کر کے تصور کرے تو اسے خود سے اور ماحول سے بے نیاز ہو جانا چاہیے، اتنا بے نیاز کہ اس کے اوپر سے بتدریج ٹائم اور اسپیس کی گرفت ٹوٹنے لگے۔ یعنی اس تصور میں اتنا انہماک ہو جائے کہ وقت گزرنے کا مطلق احساس نہ رہے۔ کتاب کا دلچسپ مضمون پڑھنے کی مثال پیش کی جا چکی ہے۔

تصور کے ضمن میں اس بات کو سمجھنا بہت ضروری ہے کہ اگر آپ نور کا تصور کر رہے ہیں تو آنکھیں بند کر کے کسی خاص قسم کی روشنی کو دیکھنے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ صرف نور کی طرف دھیان قائم کریں۔ نور جو کچھ بھی ہے اور جس طرح بھی ہے از خود آپ کے سامنے آئے گا۔ اصل دعا کسی ایک طرف دھیان کر کے ذہنی یکسوئی حاصل کرنا اور منتشر خیال سے نجات پانا ہے۔ جس کے بعد باطنی علم کڑی درکڑی ذہن پر منکشف ہونے لگتا ہے۔ تصور کا مطلب اس بات سے کافی حد تک پورا ہوتا ہے جس کو عرف عام میں 'بے خیال ہونا' کہا جاتا ہے۔

ہم اگر کھلی یا بند آنکھوں سے کسی چیز کا تصور کرتے ہیں اور تصور میں خیالی تصویریں اکٹھے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ عمل ذہنی کسوٹی کے احاطے میں نہیں آتا۔ ذہنی یکسوئی سے مراد یہ ہے کہ آدمی شعوری طور پر دیکھنے اور سننے کے عمل سے بے خبر ہو جائے۔ قانون یہ ہے کہ آدمی کسی لمحے بھی حواس سے ماورا نہیں ہو سکتا۔ جب

ہمارے اور شوروی عوام اس کا غلبہ نہیں رہتا تو میکائی (AUTOMATIC) طرہ پر
لاشوری عوام اس شکر ہو جاتے ہیں اور لاشوری عوام سے متعارف ہونا ہی سادہ رانی
علوم کا عرفان ہے۔

ٹیلی پیٹی کا پوتھا سبق

دائیں ہاتھ کے انگوٹے سے دایاں ہاتھ بند کر لیں اور بائیں ہاتھ
سے دس سیکنڈ تک سانس کھینچ کر سیدھے ہاتھ کی چھنگلیا سے بائیں ہاتھ بند کر لیں
اور بائیں ہاتھ تک سانس روکے رہیں۔ بائیں ہاتھ کے بعد دائیں ہاتھ سے دس سیکنڈ
تک سانس خارج کریں۔ اب دوبارہ دائیں ہاتھ سے سانس دس سیکنڈ تک بند
کھینچیں۔ بائیں ہاتھ سے چھنگلیا ہٹا کر دوبارہ دائیں ہاتھ کے انگوٹے سے دایاں ہاتھ
بند کر لیں اور سانس کو دس سیکنڈ تک روک رکھیں پھر بائیں ہاتھ سے سانس کو دس سیکنڈ
تک نکالیں۔ یہ ایک چکر ہو گیا۔ اس طرح اس عمل کو بیس مرتبہ دہرایا جائے۔ یہ
مشق بھی خالی معدہ صبح سویرے نکلنے سے پہلے اور رات کو سونے سے قبل خالی
پیٹ کر کرنی چاہیے۔ ٹیلی پیٹی کے تمام طلباء و طالبات کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ رات
کا کھانا بہت ہلکا اور مغرب کے وقت کھالیں۔ کھانے اور سانس کی مشق کے درمیان
کم سے کم تین گھنٹے کا وقفہ ہونا ضروری ہے۔

سانس کی اس مشق کے بعد اس طرح بیٹھ جائیں کہ اعصاب ڈھیلے اور
پر سکون رہیں۔ آنکھیں بند کر کے یہ تصور کریں کہ ایک گیند ہے اور گیند کے اندر
نیلے رنگ کی روشنیاں بھری ہوئی ہیں اور یہ روشنیوں سویرے کی کرنوں کی طرح آپ



کے اوپر پڑ رہی ہیں اور یہ روشنیوں آپ کے دماغ میں جذب ہو کر پورے جسم میں سے دور کرتی ہوئی پیروں سے نکل رہی ہیں۔ اس تصور میں گہرائی واقع ہونے پر پہلے دماغ میں ہلکا پن محسوس ہوتا ہے۔ پھر کشش ثقل ختم ہو جاتی ہے۔ جب بند آنکھوں سے یہ تصور قائم ہو جائے تو اس شق کو کھلی آنکھوں سے کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ آپ خود اور یہ ساری دنیا گیند کے اندر بند ہے اور گیند کے اندر نیلے رنگ کی روشنیاں بھری ہوئی ہیں۔ اس شق کی تکمیل کے بعد آدمی خود کو آٹا ہلکا محسوس کرتا ہے کہ جب وہ زمین پر چلتا ہے تو یہ محسوس کرتا ہے کہ جیسے وہ ہوا میں چل رہا ہو۔

اس شق کے دوران یہ احتیاط ضروری ہے کہ یہ عمل ایسے وقت نہ کیا جائے جب آپ ٹرک پر چل رہے ہوں۔ اس لئے کہ کسی بھی وقت آپ کشش ثقل سے آزاد ہو سکتے ہیں اور زمین آپ کے پیروں سے نکل سکتی ہے۔ اگر ٹرک پر چلتے ہوئے یہ کیفیت از خود طاری ہو جائے تو ٹرک پر سے ہٹ کر فاصلہ پکڑ لیں اور چلتے وقت قدم جما کر رکھیں تاکہ آپ کسی راہ چلتے آدمی سے ٹکرائیں نہیں۔

گھر میں یہ عمل کیا جاسکتا ہے۔

کوئی خرج نہیں ہے۔

۱۲۶ عناصر

سوال: آپ نے بتایا ہے کہ اب تک جتنے اسباق لکھے گئے ہیں ان سب کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم کو ذہنی یکسوئی اور خیالات کی پاکیزگی حاصل ہو جائے۔ کیا آپ براہ راست ٹیلی پیٹھی کی مشقیں تجویز کر کے، کورس کی مدت مختصر نہیں کر سکتے؟ ٹیلی پیٹھی کی مشقیں کرنے سے از خود ذہنی یکسوئی ہو جاتی ہے تو پھر آپ کیوں خواہ مخواہ مشقوں کو طول دے رہے ہیں؟

جواب: انسان ان ہی حقیقتوں کو سمجھنے اور پالنے کی کوشش کرتا ہے جن کی کوئی بنیاد ہوتی ہے۔ ان میں زیادہ حقیقتیں ایسی ہیں جو موجود ہونے کے باوجود ہمارے دائرہ احساس یا شعور میں نہیں آتیں۔ شعور کے دائرہ کار میں رہ کر ہم لاکھ کوششیں کریں لیکن ہم ان حقیقتوں کو اپنے اعضاء یا نظام اور گوشت پوست کے دماغ سے نہیں پہچان سکتے۔ جب ہم ان اہل حقیقتوں کی چھان بین کرتے ہیں تو اس اور اک کی بنیاد وہ عمل نہیں ہوتا جس میں شعوری حواس اور اعصاب کا دخل ہوتا ہے۔ اور ہماری عقل ان گتھوں کو سلجھانے سے قاصر نظر آتی ہے۔ عقل علی تجربہ کی بنیاد پر آگے بڑھتی ہے جب کہ غیب میں آباد دنیا کے رموز و نکات کا تعلق لاشعوری حواس سے ہے۔

جدید سائنس کی رو سے آدمی ایک سو چھپیس عناصر سے مرکب ہے۔ آگ، پانی

ہوا، مٹی، ایسڈروجن، ریڈیم، کاربن، نائٹروجن... وغیرہ۔ غرضیکہ جتنے بھی عناصر مل کر کسی مادہ کی تشکیل و تخلیق کرتے ہیں وہ سب آدمی کے اجزائے ترکیبی میں بھی شامل ہیں۔ جب ہم آدمی اعتبار سے آدمی، حیوانات، چرندے، پرندے، درندے، ذی روح اور خسیرو ذی روح مخلوق کا تجزیہ کرتے ہیں تو سب ایک صف میں گھرے۔ نظر آتے ہیں۔ آدمی جہاں افضل ہو کر انسان بنتا ہے اور اس میں جو چیز تمام مخلوق سے افضل و علیٰ ہے وہ اس کی قوت ارادی ہے۔ انسان اپنی قوت ارادی سے نہ صرف یہ کہ عرفان حاصل کر لیتا ہے بلکہ اس کے سامنے کائنات سرنگوں ہو جاتی ہے۔ زمین پر سے خس و خاشاک دور کرنے کے بعد کوئی پودا لگا دیا جائے تو وہ جلد نشو و نما پاتا ہے اور جوان ہو کر اچھا پھل دیتا ہے۔ اسی طرح جب ذہن کو پوری طرح صاف کر کے کسی نئے علم کا پودا اس میں لگا دیا جائے تو وہ بہت جلد برگ و بار لاتا ہے اور سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے۔ جس طرح آپ اپنے جسم کا ناسد مادہ خود ہی من ارج کر دیتے ہیں یا وہ قدرتی نظام کے تحت غارت ہو جاتا ہے اسی طرح ایمان، جذبات اور خیالات کی کثافت کا اخراج ہونا بھی ضروری ہے۔ جب تک دماغ جذبات و خیالات کی کثافت سے صاف نہیں ہوتا آدمی روحانی ترقی نہیں کر سکتا۔ اس صفائی کو حاصل کرنے کے لئے براہ راست کئی قیمتی شروعات کرنے سے پہلے ہم نے ذہنی یکسوئی حاصل کرنے کے اسباق تجویز کئے ہیں۔

پیرا سائیکالوجی (PARAPSYCHOLOGY) کی رُوسے مادرائی طاقت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دماغ کی کارکردگی اور دماغ کے کمپیوٹر کو سمجھ لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ جب تک ہم عملاً اس مادی نظام سے الگ ہو کر دماغ کی طرف توجہ

نہیں ہوں گے۔ دماغ کی کارکردگی اور دماغ میں موجود مخفی صلاحیتیں ہمارے سامنے نہیں آئیں گی۔ ان مخفی اور لامحدود صلاحیتوں سے آشنا ہونے کے لئے یہ امر لازم ہے کہ ہم اس بات سے واقف ہوں کہ مفروضہ حواس کی گرفت ہے آزاد ہونا کس طرح ممکن ہے۔

جہاں تک طویل انتظار کا تعلق ہے، کائنات کے تخلیق کار موبوں پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہرگزرنے والا لمحہ آنے والے لمحات کے انتظار کا پیش خیمہ ہے۔ انتظار بکائے خود زندگی ہے۔ بچپن سے لڑکپن، لڑکپن سے جوانی اور جوانی بڑھاپے کے انتظار میں گزرتی ہے۔ اگر آج پیدا ہونے والے بچے کی زندگی میں آنے والے ساٹھ سالوں پر محیط بڑھاپا چپکا ہوا اور چھپا ہوا نہ ہو تو پیدا ہونے والا بچہ ننگوڑے سے باہر نہیں آئے گا، نشو و نما رک جائے گی، کائنات ٹھہر جائے گی، چاند سورج اپنی روشنی سے محروم ہو جائیں گے۔ جب ہم زمین میں کوئی بیج ڈالتے ہیں تو یہ دراصل اس انتظار کے عمل کی شروعات ہے کہ یہ بیج پھول بن کر کھلے گا۔



جب کچھ تھا، اللہ تھا۔ جب اللہ نے جاہ بشمول کائنات میں تخلیق کر دیا
تخلیق کی بنیاد (BASE) اللہ کا چاہنا ہے۔ اللہ کا چاہنا اللہ کا ذہن ہے مطلب
یہ ہوا کہ ہمارا اصل وجود اللہ کے ذہن میں ہے۔ قانون یہ ہے کہ جب تک شے کی
وابستگی اصل سے برقرار نہ رہے کوئی شے قائم نہیں رہ سکتی۔ اس وابستگی کا قیام بظاہر اپنی
خود و خال میں صعودی حرکت سے قائم ہے۔ اس کے برعکس ہمارا ایک جسمانی تشخص
بھی ہے۔ اس جسمانی اور مادی تشخص کی بنا زولی حرکت ہے۔

پوری کائنات اور اس کے اندر تمام مظاہرات ہر لمحہ اور ہر آن ایک سرکل
(CIRCLE) میں سفر کر رہے ہیں اور کائنات میں ہر لمحہ ایک دوسرے سے کشنا
اور متعارف ہے۔ تعارف کا یہ سلسلہ خیالات پر مبنی ہے۔ سائنس نے آپس میں اس
تبادلہ خیال اور رشتہ کو توانائی کا نام دیا ہے۔ سائنس کی روش سے کائنات کی کسی شے
کو خواہ وہ مرنی ہو یا غیر مرنی کلیتہً فنا نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مادہ مختلف ڈائیوں میں
نقل مکانی کر کے توانائی بن جاتا ہے اور توانائی روپ بدل بدل کر سامنے آتی رہتی
ہے۔ مکمل موت کسی ہر ذرہ و ذرہ نہیں ہوتی۔ نفوت میں اسکی توانائی کو روح کا نام دیا گیا
ہے۔ روح کو جو علم و ولایت کر دیا گیا ہے وہ ہی خیالات، تصورات اور احساسات
بنتا ہے۔ یہ خیالات اور تصورات لہروں اور شعاعوں کے دوش پر ہدف، ہر لمحہ
اور ہر آن معروف و معلوم رہتے ہیں۔ اگر ہمارا ذہن ان لہروں کو پکڑنے اور ان کو حرکت
دینے پر قدرت حاصل کرتے تو ہم کائنات کے تصور و خیالوں میں خیالات کے روپ بدل
سے وقوف حاصل کر کے اپنے خیالات و دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔ اس کے لئے
ضروری ہے کہ ہم اس سائنس کے اوپر کنٹرول حاصل کر لیں جو صعودی حرکت ہے۔

آنتینا (ANTENNA)

سوال : یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ زندگی کا قیام سائنس کے اوپر ہے سائنس
جاری ہے تو زندگی برقرار ہے اور جب سائنس کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے تو زندگی بھی
راہ عدم اختیار کرتی ہے۔ درخواست ہے کہ آپ ہم طلباء و طالبات کو یہ بتائیں
کہ مادیاتی علوم حاصل کرنے میں سائنس کی مشقیں کیوں ضروری ہیں اور سائنس کی حلائی
حیثیت کیا ہے ؟

جواب : تخلیق فی فارمولوں پر غور کیا جائے اور اللہ کے بیان کردہ قوانین میں نقص نہ
کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کائنات اور
کائنات کے اندر تمام مظاہرات کی تخلیق دو رخ پر کی گئی ہے۔ اس حقیقت کی
روشنی میں سائنس کے ہکا دو رخ متعین ہیں۔ ایک رخ یہ ہے کہ آدمی سائنس اندر
یتا ہے اور دوسرا رخ یہ ہے کہ سائنس باہر نکالا جاتا ہے نفوت کی اصطلاح میں
اگر ان میں سائنس لینا صعودی حرکت ہے اور سائنس کا باہر آنا زولی حرکت ہے۔
معلوم اس حرکت کا نام ہے جس حرکت میں تخلیق کا ربط براہ راست خالق کائنات
کے ساتھ قائم ہے اور نزول اس حرکت کا نام ہے جس میں بندہ ٹائم اسپیس
(TIME SPACE) کا پایا بند ہے۔

سائنس کا گہرائی میں جانا ناشعور ہے اور سائنس کا گہرائی سے مظاہرانی سطح پر
آنا شعور ہے۔ شعوری زندگی حرکت میں ہوتی ہے تو ناشعوری زندگی ہر دے میں پہلی
جاتی ہے اور ناشعوری زندگی میں شعوری حرکات مغلوب ہو جاتی ہیں۔ مادیاتی علوم
سے آشنا ہونے کے لئے ناشعوری تحریکات سے باخبر ہونا ضروری ہے اور یہ اس
دقت ممکن ہے جب گہرائی میں سائنس لینے پر اختیار حاصل ہو جائے اور ہمارے اندر
مرکزیت اور توجہ کی صلاحیتیں بروئے کار آجائیں۔ یاد رکھئے ہمارے اثر (INNER)
میں نصب شدہ اینٹینا (ANTENNA) اس وقت کچھ نشتر کرنے یا قبول کرنے کے قابل
ہوتا ہے جب ذہن میں توجہ اور مرکزیت کی صلاحیتیں وافر مقدار میں موجود ہوں۔ ان
صلاحیتوں کا ذخیرہ اس وقت فعال اور متحرک ہوتا ہے جب ہم اپنی تمام تر توجہ یکسو اور
صلاحیتوں کے ساتھ معمولی حرکت میں ڈوب جائیں۔

مادیات علوم سیکھنے کے لئے مضبوط اعصاب اور طاقتور دماغ کی ضرورت ہے
اعصاب میں چمک پیدا کرنے، دماغ کو متحرک رکھنے اور قوت کارکردگی بڑھانے کے
لئے سائنس کی مشقیں بے حد مفید اور کارآمد ہیں۔ جب کوئی مبتدی سائنس کی مشقوں
پر کنٹرول حاصل کر لیتا ہے تو اس کے دماغ کے اندر باریک ترین روشیوں اور خلیوں
(CELLS) کی حرکات اور عمل میں اضافہ ہوتا ہے۔ اثر (INNER) میں سائنس
روکنے سے دماغ کے خلیات (CELLS) چارج ہو جاتے ہیں جو انسان کی خفیمہ
صلاحیتوں کو بیدار ہونے، ابھرنے اور بچلنے پھولنے کے بہترین مواقع فراہم
کرتے ہیں۔



کیفیات و واردات سبق ۲

سید اصغر علی ظفر

۲۴۔ نومبر: آج سے چوتھے سبق کا آغاز کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم
سے تصور قائم ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ روشنیوں کا آبشار میرے اوپر گور رہا ہے اور یہ
روشنیاں سر میں سے جذب ہو کر پیروں کے ذریعے EARTH ہو رہی ہیں۔ جس
وقت روشنیاں سر میں جذب ہوتی ہیں ان کا رنگ نیلا ہوتا ہے اور جب زمین
میں اترتے ہوئی ہیں تو بے رنگ ہو جاتی ہیں۔ یوں سمجھئے کہ رنگین ہروں کا رنگ میرے
جسم میں یوگت ہو جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد دیکھا کہ میں ایک گلوب میں ہوں اور اس
اس گلوب کے اندر نیلا رنگ بھرا ہوا ہے۔ یکایک ایک وسیع و عریض گنبد پر
نظر پڑی جس کا رنگ سبز تھا۔

صبح کی مشق کے دوران دیکھا کہ میرا سر کھل گیا اور روشنیوں کے دو مجسم پرت
میرے سر پر داخل ہو گئے اور انہوں نے میرے اندر صفائی شروع کر دی۔ پھر
یہ مجسم پرت روشنی میں تحلیل ہو کر پیروں کے راستے باہر نکل گئے۔ روحانی یا جسمانی
صفائی کے بعد کئی شعاعیں تیزی کے ساتھ میرے جسم میں داخل ہونے لگیں۔
۲۵۔ نومبر: مشق کے دوران گنبد کی طرف خیال چلا گیا۔ دیکھا کہ جو روشنی

نیچے آ رہی ہیں وہ اصل میں سفید رنگ کی ہیں لیکن گند میں سے گزرتے ہی نیلی ہو جاتی ہیں۔ یہ بھی دیکھا کہ گند کی چھت پر رنگوں کے دائرے بنے ہوئے ہیں۔ پہلا دائرہ بڑے قطر کا ہے۔ پھر اس سے چھوٹا۔ پھر دائروں کے قطر بتدریج چھوٹے ہوتے چلے گئے۔ ان دائروں میں ہونی اور خوبصورت بھر جڑے ہوئے ہیں۔ پھر دیکھا کہ گرتی ہوئی روشنیوں کا رنگ وقفہ وقفہ سے تبدیل ہو رہا ہے۔ اور یہ جسم مقناطیس کی طرح کھینچ کر اس کو اپنے اندر جذب کر رہا ہے۔

۲۔ نمبر : دیکھا کہ کوئی ٹمپنڈ اگر گند کی چھت پر بیٹھ گیا۔ اور اس کو ہلانا شروع کر دیا۔ گند کا ہلنا تھا کہ گری ہوئی روشنیوں میں شدت پیدا ہو گئی۔ روشنی کی اس موسلا دھار بارش کو میں اپنے جسم پر محسوس کر رہا تھا۔ اور کبھی کبھی میرے اوپر کسی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ یہ روشنیاں کہاں سے آتی ہیں؟ پتہ چلا کہ گند کی چھت پر ایک ایٹمی ٹانٹا ٹاڈا رہے جو فضا سے روشنیوں کو جذب کر کے دائروں اور موتیوں کے ذریعے گند کے اندر بکھیر رہا ہے۔

۳۔ نمبر : طرح طرح کے خوبصورت مناظر دیکھے۔ عالی شان عمارتیں باغات، پہاڑ، پہاڑ سے تالاب۔ یہ سب ٹرانسپیرنٹ تھے اور ہر طرف روشنیوں کا دور دورہ تھا۔

احساس کمتر می سے نجات

محمد سلیم قریشی، لاہور

پچھلے کئی ہفتوں سے دن میں اکثر خوبصورت نیلے رنگ کی روشنی چمکتی ہوئی نظر

آتی ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جرات ذہن سوچتا ہے وہ ہو جاتی ہے۔ میں نے اس عرصے میں خاص طور پر ایک بات نوٹ کی ہے کہ پہلے میں احساس کمتری کی بنا پر کسی سے بات کرتے وقت اس سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتا تھا لیکن اب میں ہر شخص سے خود اعتمادی کے ساتھ بات کر سکتا ہوں۔

۸۔ فروری : پہلے سفید روشنیوں کے جھماکے ہوتے رہے۔ اس کے بعد زرد روشنی کی لہریں دکھائی دیں۔ پھر دیکھا کہ خانہ کعبہ ہے اور لوگ طواف کر رہے ہیں اس منظر کو میں نے کافی اونچائی سے دیکھا۔ اس کے علاوہ اور بھی چیزیں نظر آئیں لیکن یاد نہیں رہیں۔ ایک دفعہ ایسا لگا جیسے کر کے چلے جسے سے کوئی چمکی ہوئی چیز نیچے اتر رہی ہے۔ پہلے زرد رنگ کی لہریں ناک کی طرف سے آتی تھیں۔ اس کے

بعد نظر آیا کہ بہت سے لوگ ایک قطار میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ ہر ایک کسی نے زمین پر کوئی چیز پھینکی۔ اس کے چھینٹے ادھر ادھر بکھرے اور میں ان سے اپنا منہ ہچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس کے بعد چھوٹے سائز میں سفید رنگ کی چمک دار خوبصورت لہریں ناک کے پاس سے گزریں۔ لگ رہا تھا کہ جیسے کافی وقت گزر چکا ہے۔ آج سب میں ہلکا سا درد ہوا۔

۱۲ فروری : آج زرد لہروں کو سائت حالت میں دیکھا۔ پھر دیکھا کہ سفید رنگ کے تختے ہیں اور ان پر کالے رنگ سے کچھ لکھا ہوا ہے۔

ملک حق نواز

۲۔ فروری : مشق کے بعد جوتے کے لئے بیٹا تو میرے دلی سے کرنٹ نکل کر سارے جسم میں سرایت کر گیا اور جسم اس کی شدت سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اس

کے بعد دیکھا کہ میرے سامنے سے اندھیرا چھٹ گیا ہے۔

محمد لطیف، اگرچہ

۲۹۔ اپریل : مراقبہ شروع کیا تو کالے رنگ کے دائرے نظر آئے لیکن کچھ ہی دیر بعد بائیں آنکھ کے اوپر ایک روشن گود نظر آیا۔ پھر ایک دم مجھے اپنے چاروں طرف نور ہی نور نظر آیا۔ پھر وقفے وقفے سے نور کے جھاکے ہوتے رہے۔

۳۰ مئی : آج آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ساتھ ہی کسی چیز کا سایہ چلتا ہوا نظر آیا۔ پھر سفید لہریں نظر آئیں۔ اس کے بعد بائیں آنکھ کے سامنے روشنی نظر آئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد دائیں آنکھ کے سامنے بھی روشنی نظر آئی۔ پھر ایک لمحے کے لئے میں اس سفید روشنی میں ڈوب گیا۔

ایم اے اراد لہنڈی

۱۰۔ مئی : شیشے کا بنا ہوا ایک گنبد ہے۔ اس میں سے روشنی نکل کر سب پر پڑ رہی ہے۔ بیکار ایک ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے گنبد کو چھیر دیا ہو اور بہت دیر سے سر میں سے ہو کر پیروں میں سے ہوتی ہوئی زمین میں جذب ہو گئی۔ یہ کیفیت تیزاً رہ سیکھنا قائم رہی۔

۱۶ مئی : دیکھا کہ سفید رنگ کا گنبد ہے۔ اور اس کا رنگ تبدیل ہو رہا ہے۔

بھی سبز ہو جاتا ہے اور کبھی نیلا۔

سوئے کے محل

محمد جابر بخت

۶۔ جنوری : خدا خدا کر کے تصور قائم ہوا اور ساتھ ہی میری مشق کے دوران مرتب ہونے والی کیفیات کا تصور بھی آتا رہا۔ دیکھا کہ جب روشنی میرے دماغ کے اندر جیتا ہوا ہے تو دماغ بھارتی ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد خود کو ایک چوکور چیز میں پروانہ کرتے دیکھا۔ دوران مراقبہ ایک بزرگ بھی دکھائی دیئے جو کبھی میسرے شکل کے بن جاتے اور کبھی میں ان کی شکل کا بن جاتا۔ صبح کی منازادہ کرتا تھا تو محسوس ہوا کہ میں خلا میں منازادہ کرتا ہوں۔

۷۔ جنوری : آنکھوں کے سامنے سونے کے محل کی طرح کوئی چیز آگئی۔ جس میں حضرت عائشہ کھڑی ہوئی تھیں۔ لیکن چہرہ مبارک دوری طرف تھا۔

۱۱۔ جنوری : مراقبہ میں جلتے ہی غنودگی چھا گئی۔ اس عالم میں خود کو ایک غار کے اندر دیکھا۔ جسم میں کوئی چیز بقی روک طرح گردش کرتی رہی۔ سر کے دائیں جانب کوئی چیز سرکتی ہوئی اور ساتھ ہی کوئی ٹھنڈی چیز دماغ میں سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ پھر ایک خوبصورت باغ دکھائی دیا۔ اس کی چار دیواری سوتے اور چاندی کی طرح بھی شیش کا رنگ سبز تھا۔ پھر میں نے خود کو ایک گنبد پر کھڑا دیکھا۔ اگلی گنبد پر بھی تھا کہ آسمان سے انسانی شکل کا ایک گردہ میری طرف آنا دکھائی دیا۔ گنبد پر اتر کر انہوں نے کہا کہ ہم تم کو اپنے ساتھ لینے آئے ہیں۔ اور ان میں سے ایک بزرگ نے تخت پر مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ تخت تیزی سے پروانہ کرنا ہوا آسمان پر جا پہنچا۔ وہاں پر بہت خوبصورت چیزیں دیکھیں۔ بہت سے لوگ بھی تھے۔ کوئی کچھ کہہ رہا تھا، کوئی کچھ۔ ان میں سے ایک روٹی کھا رہا تھا۔ اس نے مجھے بھی روٹی دی۔ پھر وہ مجھے ایک چمک دار سفید کمرے میں لے گیا اور کہا کہ یہ آپ کا کمرہ ہے۔ کرو اتنا سفید تھا کہ اندر کی چیزیں صاف

دکھائی دیتی تھیں۔ یعنی اس کی دیواریں بالکل نیسنے کی طرح ٹرانسپیرنٹ تھیں۔ میں مکے کے اندر گیا۔ ابھی دوسرے دروازے کی طرف جانے ہی والا تھا کہ پاؤں پھسل گیا۔ اور وہاں بھی مجھے غلطی روک دینا ہوا دکھائی دیں۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو فوری طور پر نہیں کھلیں۔ آہستہ آہستہ کھلیں۔ جب چلنے لگا تو ایسا محسوس ہوا کہ ہوا میں چل رہا ہوں اور دایاں پاؤں گھٹن ہے۔

عالم تمام حلقہ دم خیال ہے

سوال: ٹیلی پیٹھی کی مشقوں کے بعد طالبات اور طلباء پر جو کیفیات مرتب ہوئی ہیں ان سے اس علم کا حقیقت سے تعلق ثابت ہو جاتا ہے لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کامیابی کا تناسب کم ہے تو دماغ اس شک میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہ سب قوت متخيلہ کا نتیجہ ہے۔ یعنی یہ کہ آدمی نے اپنی تمام تر توجہ کے ساتھ اختیاری یا غیر اختیاری طور پر یہ سوچ لیا ہے کہ ایسا ہے، ویسا ہے اور وہی مناسط اس کے سامنے آجاتے ہیں۔ اور اس قسم کی کیفیات اس پر وارد ہونے لگتی ہیں۔ کیا آپ اس سلسلہ میں کچھ بتانا پسند کریں گے؟

جواب: جہاں تک قوت متخيلہ کا تعلق ہے اس سے کوئی ایک فرد بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ساری زندگی خیالات کے تانے بانے سے بنی ہوئی ہے۔ قلندر بابا اور ائمہ نے اپنی کتاب "روح و قلم" میں اس تانے بانے پر بنی ہوئی تخلیق کو نسب کہا ہے اور جنات کی تخلیق نسب مفرد سے، انسان اور انسان کی دنیا کی تخلیق نسب مرکب سے عمل میں آئی ہے۔ اس بات کو نقشہ میں دکھا کر پوری طرح سمجھایا گیا ہے۔ ہر سو زندگی دیتی ہیں، زندگی کے سارے تقاضے ہمارے اندر پیدا کرتی ہیں ہمارے دماغ کے اندر نصب شدہ اینٹینا (ANTENNA) جب ان کو جذب کرتا ہے



تو خیالات اور جذبات بن کر نشر ہونے لگتی ہیں۔ خیالات کی نشریات ہی زندگی ہیں قوت متخیلہ کو ایک لافنی اور ایک غیر مؤثر چیز سمجھا جائز جذبات کے کچھ نہیں ہے۔
آئیے ایک تجربہ کرتے ہیں۔

آرام کے ساتھ بستر پر لیٹ کر جسم ڈھیلا چھوڑ دیں۔ اور اپنی پوری توجہ اس بات پر مبذول کر دیں کہ آپ کے پیر گرم ہو رہے ہیں۔ پھر یہ تصور کر دیں کہ ہر من آپ کے واماں میں سلس اور پیسہم نزول کر رہی ہیں۔ اور پیروں کے ذریعے خارج ہو رہی ہیں۔ ہروں کے اندر گرمی آپ کے پیروں کو گرم کر رہی ہے۔ جیسے ہی آپ کی توجہ اس عمل میں گونز ہو جائے گی، آپ کے پیر گرم ہوتے ہوئے محسوس ہوں گے۔ اور پھر یہ معلوم ہو گا کہ اسے جسم کی گرمی پیروں میں سمٹ آئی ہے اور آپ کے پیروں کے تلوے جلتے لگیں گے۔ بالکل یہی صورت اس وقت ہوگی جب آپ سر و ہواؤں کا تصور کریں گے خیالات کی مرکزیت پیروں کو آنا شروع کر دیتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے پیر برف کی طرح رخ ہونے لگے ہیں۔ مادہائی علوم کے لئے یہ کہہ کر گزر جانا کہ یہ سب قوت متخیلہ کا نتیجہ ہے دراصل فساد کی ایک شکل ہے اور یہ باتیں ایسے لوگ کرتے ہیں جن کے اندر قوت عمل تقریباً صفر ہوتی ہے۔

ایشوار وایقان، نفرت و حسد، بھوک، پیاس اور زندگی کے سارے تقاضے کیا ہیں؟ سب خیالات کی ادنیٰ بذاتی تصویریں ہیں۔ اگر جسم میں بھوک کے تقاضے سے، خیال کے ذریعے، مطلع ذکرے تو ہم کھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ یہ ساری کائنات خیالات کی ایک مربوط فلم ہے۔



قانون فطرت

سوال: شیلی پتھی اور دیگر مادہ والی علوم کے ضمن میں جن قوتوں اور صلاحیتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، کیا ان صلاحیتوں کے حصول کے لئے کوئی بھی شخص کو شش کر سکتا ہے یا یہ علم ایسے لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو غیر معمولی قوت کے حامل ہیں؟

جواب: کائنات میں موجود جمیع مخلوقات میں انسان سب سے پیچیدہ نفسیات و طبیعات کا حامل ہے۔ بعض اوقات کچھ افراد سے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جنہیں ہم SUPER NATURAL یعنی مافوق الفطرت کہہ دیتے ہیں اور جو عام لوگوں کی نظموں میں عجیب و غریب اور حیرت انگیز ہوتے ہیں۔ حالانکہ عورت کیا جائے تو اس کا رخا قدرت میں کوئی چیز مافوق الفطرت نہیں ہے۔ چونکہ ہر شے کی ابتدا اور انتہا قوانین فطرت کے تحت ہے، اس لئے یہاں کوئی موجود شے فطرت سے بالاتر نہیں ہو سکتی۔

ہماری اس کائنات میں فطرت کے بے شمار قوانین کار فرما ہیں۔ ان میں سے کچھ تو ہمیں معلوم ہیں اور بہت سے قوانین ہمیں اپنی لاعلمی کی وجہ سے معلوم نہیں جن کے بارے میں ہمارا علم ناقص ہے انہیں ہم فوراً فوق الفطرت کہہ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ ہم محض اپنے "تصور" کی قوت سے

چار ہزار میل پر بیٹھے ہوئے کسی دوسرے شخص کو متاثر کر دیں یا کسی بیمار کے بدن پر ہاتھ پھیر کر اس کا مرض دور کر دیں۔ کسی شخص کو چند منٹ نظر جا کر دیکھیں اور اس پر نیند طاری ہو جائے۔ ہم اپنی آنکھوں کو بند کر کے لاہور کے بازار کی یا لندن کے پکاڈلی کا تصور قائم کریں اور وہاں کا پورا جیتا جاگتا منظر ہمارے سامنے اس طرح آجائے گی یا ہم خود ان بازاروں میں چل پھر رہے ہیں۔ قدرت نے ہمارے اندر یہ صلاحیت بھی ودیعت کی ہے کہ ہم دوسروں کے دل کا حال معلوم کر سکتے ہیں۔ ان کے اندر میں داخل ہو کر ان کی کھلی زندگی کے اہم واقعات دیکھ سکتے ہیں۔ فطرت نے ہمارے مانع میں یہ قوت بھی رکھی ہے کہ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات پر وہ اسکرین پر فلم کی طرح ہمارے سامنے رقصاں رہیں۔

یہ تمام صلاحیتیں کسی نہ کسی قانون کے مطابق ہیں۔ مگر جب ہم کسی شخص میں اس قسم کی کوئی قوت متحرک پاتے ہیں تو اسے سپرنچرل کہہ دیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہماری کائنات جس فوق الفطرت کوئی چیز نہیں ہے۔

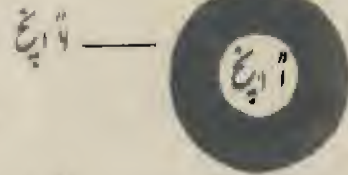
ہم میں سے ہر شخص خاص خاص مشقوں، مجاہدوں اور ریاضتوں کے ذریعے دلخ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کر کے ان علوم کو حاصل کر سکتا ہے جنہیں ٹیلی پتھی، غیب بینی، سچے خواب، مستقبل بینی، شرح صدر، THOUGHT READING دورانِ علاج بذریعہ خیال، تاثیر بذریعہ تصور، انتقالِ اموال، اسم بزم، ہینٹرز نام دیا جاتا ہے۔ اگر آپ بھی اپنے اندر غیر معمولی ذہنی صلاحیتیں اور قوتیں پیدا کرنا چاہتے ہیں تو کسی استادِ کامل کی نگرانی میں مشقیں کیجئے۔ آپ میں بھی غیر معمولی قوتیں پیدا ہو جائیں گی۔

ایک بات یاد رکھئے، ہر انسان اپنی سیرت کی بنا پر از سر نو جنم لیتا ہے اور اوجِ خریات تک پہنچ جاتا ہے۔ سیرت کی جڑیں اخلاقی قدروں سے نشوونما پاتی ہیں۔ اس لئے اگر آپ مستقبلِ بینی کے لئے قدم اٹھاتے ہیں تو پہلے اپنی سیرت کا جائزہ لیجئے، اپنی مستقل مزاجی کا امتحان لیجئے کیوں کہ پیش بینی کا آغاز آپ کی اپنی ہی ذات سے ہو سکتا ہے۔ پہلے آپ خود اپنے اوپر تجربات کریں گے۔ اس کے بعد ہی طاقت دوسروں پر آزمائی جائے گی۔ اگر آپ کی سیرت قابلِ اطمینان نہیں ہے تو آپ غلط راستوں پر بھی جاسکتے ہیں۔ قدرت کا چلن یہ ہے کہ کوئی غیر معمولی طاقت اکی کو ملتی ہے جو اس کا موزوں استعمال جانتا ہے اور جو لوگ اس قسم کی طاقت حاصل کرنے کے بعد بے جا فخر اور گھمنڈ کے نشے میں غیر اخلاقی اور غیر انسانی حرکات شروع کر دیتے ہیں ان سے یہ طاقت چھین لی جاتی ہے۔ اس لئے یاد رکھئے کہ سب سے پہلے آپ کے دل میں اپنی شخصی تعمیر اور پھر تعمیرِ کائنات کا سزم ہونا چاہئے۔



ٹیلی میٹھی کا پانچواں سبق

۱۸ اپنچ x ۱۸ اپنچ کا چمک دار اور سفید ریگزین کا ٹکڑا لے کر اتنے ہی بڑے
ٹوکڑی کے تختے، پلائی وڈ، ہارڈ بورڈ یا موٹے تختے پر چھوٹی کیسٹوں سے اس طرح
جڑویں کر ریگزین میں شکنیں باقی نہ رہیں۔ اس ریگزین کے بالکل بیچ میں چھ اپنچ
قطر کا ایک دائرہ بنائیں اور اس دائرے کو سیاہ چمک دار پینٹ سے پر کر دیں
مطلب یہ ہے کہ ۱۸ اپنچ x ۱۸ اپنچ کے اس چمک دار سفید ریگزین ٹیبلٹ پر ایک
سیاہ دائرہ اس طرح بنائیں کہ اس دائرے کے بالکل بیچوں بیچ ایک اپنچ قطر کا سفید
دائرہ باقی رہے۔



اس بورڈ کو چار فٹ کے فاصلے پر اپنے سامنے اس طرح رکھیں کہ سفید دائرہ
نظر کے بالکل متوازی ہو۔ بورڈ میں جھکاؤ واقع نہیں ہونا چاہیے۔ سیدھا رہے۔ دیکھا
جینی سے پہلے سانس کی مشق کر لیں۔

دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں نتھنا بند کر لیں۔ اور بائیں نتھنے سے دایاں

سیکھنا تک سانس کھینچ کر چھوٹی انگلی سے دایاں نتھنا بند کر لیں اور بائیں سیکھنا تک
سانس روکے رکھیں۔ پانچ سیکھنا بعد دائیں نتھنے سے سانس دس سیکھنا تک خارج
کریں۔ اب دوبارہ دائیں نتھنے سے سانس دس سیکھنا تک کھینچیں۔ بائیں نتھنے پر سے
چھٹا بار دایاں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں نتھنا بند کر لیں اور سانس کو پانچ
سیکھنا تک روکے رکھیں۔ پھر بائیں نتھنے سے سانس دس سیکھنا باہر نکالیں۔ یہ ایک
چکر ہو گیا۔ اسی طرح اس عمل کو دس مرتبہ دہرایا جائے۔ یہ مشق بھی صبح سوزج نکلنے
سے پہلے اور رات کو سونے سے قبل خالی پیٹ کرنی چاہیے۔

دوسرے اسباق کی طرح اس مشق میں بھی راست کا کھانا بہت ہلکا اور مغرب
کے وقت کھانا جائے۔ کھانے اور سانس کی مشق کے درمیان کم سے کم تین گھنٹے کا وقفہ
ہونا نہایت ضروری ہے۔

سانس کی مشق کے بعد دس سے پندرہ منٹ تک دائرہ مینی کریں۔ دائرہ مینی
کرتے وقت آنکھوں میں جلن اور سوزش کا احساس ہوگا۔ آنکھوں اور ناک سے پانی بہے گا۔
اس کی پرواہ نہ کریں۔ بلکہ ہلکے جھپکائے بغیر دائرہ مینی کرتے رہیں۔ مشق کے دوران گرد
سیدھا رکھیں۔ نظر میں مرکزیت اور غیر اوپر دیکھنا ہونے تک اگر ہلکے جھپک جائے تو کوئی
خروج نہیں۔ ہلکوں کے عمل کو ساقا کر کرنے کے لئے اپنے اوپر جبر نہ کریں۔ جیسے جیسے
مشق کا تکمیل ہوگی خود بخود ٹیسسرا پیدا ہوتا جائے گا۔

اس مشق سے فارم ہونے کے بعد مراقبہ میں چلے جائیں۔ مراقبہ میں بڑے سکون
سے یہ تصور کیا جائے کہ شیشے کا ایک جار (JAR) ہے اور اس جار کی اندر دفن ہو رہا
ہے۔ پر زمین پر موجود اشیاء نفس و نگار کی صورت میں موجود ہیں۔ دائرہ مینی کی مشق جو سب

گفتگوں میں صرف ایک مرتبہ رات کے وقت کی جائے اور جاہلی کی مشق معمول
اسباق کی طرح صبح و شام کی جائے۔

ان مشقوں کے دوران یہ احتیاط ضروری ہے کہ دائرہ بینی کی مشق ایسی
جگہ کی جائے جہاں روشنی ہو اور یہ روشنی براہ راست بورڈ کے اوپر پڑتی رہے۔ ایسا
ہرگز نہ کیا جائے کہ ٹیبل ٹیپ میں بلب روشن کر کے خاص طور پر روشنی ڈالی جائے۔
اس کے برعکس جاہلی کی مشق حسب معمول اندھیرے میں کی جائے۔

چھٹا سبق

پچھلے اسباق اور واردات و کیفیات میں یہ بات آپ کے ادھر واضح ہو چکی ہے کہ
انسان فی الواقع روشنی ہے۔ اس روشنی یا بجلی کو سائنسدانوں نے ہیر (WAVE) کا نام
دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تمام جذبات و احساسات اور زندگی کو قائم رکھنے والے تقاضے
در اصل لہروں سے مرکب ہیں۔

ماہرین روحانیات نے ان لہروں کے دو رخ متعین کئے ہیں:

مرکب لہر اور مفرد لہر۔

مرکب لہر روشنی کے جسم کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ یہ لہر ان عناصر کو تخلیق کرتی ہے جن کو
عرف عام میں آگ، پانی، مٹی اور ہوا کہا جاتا ہے۔ یہ لہر آدمی کو قائم رکھتی ہے (TIME -
SPACE) میں بند رکھتی ہے۔ اس حالت میں ہر چیز آدمی کے لئے پردہ ہے، یہاں
تک کہ اگر اس کی آنکھوں کے سامنے باریک سے باریک کاغذ بھی آجائے تو وہ پردہ بن جاتا
ہے۔ اس لہر کی غفلت ہے کہ یہ ہر چیز کو پردے میں دیکھتی ہے۔

مثال : آدمی اپنے تحفظ کے لئے مکان بنا تا ہے۔ خود دیواریں کھڑی کرتا ہے
اور دیواروں میں دروازے لگاتا ہے۔ دروازے بند کر کے کمرے کے اندر خود کو محفوظ
سمجھتا ہے۔ مگر غائر دیکھا جائے تو یہ عمل بجائے خود قید و بند کی حالت ہے۔ یعنی آدمی
نے قید و بند کی زندگی کو محفوظ زندگی قرار دے دیا ہے۔ آدمی نے خود کو اپنی اختراع کی ہڈی



چیزوں میں قید کر لیا ہے۔ طبیعت میں آسانش کے تقاضے بھی پابند صلاحیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اس کے برعکس مفرد ہر پابند جو اس سے آزاد زندگی پسند کرتی ہے۔ اس ہر کی پہلی اسی حرکت سے ٹائم اسپیس کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔ وہ کسی قسم کے پڑے کو قابل توجہ نہیں سمجھتی۔ زمین کی پستی اور آسمان کی رفعت سے وہ پوری طرح باخبر ہے۔ یہ مفرد ہر زمین پر پہلی ہوئی اللہ کی نشانیوں کا علم بھی رکھتی ہے۔ اور اسے سموات میں فرشتوں سے حکم اور اوقات کا شرف بھی حاصل ہے۔

ہم دو ہرول، دور و شینوں یا دو دائروں میں زندہ ہیں۔ جس دائرہ یا جس ہر کا غلبہ ہوتا ہے وہی کیفیات ہمارے اوپر وارد ہو جاتی ہیں۔

قدر و بندگی حالت | یہ دو دائرے دو جنریٹر (GENERATOR) ہیں۔ تار برقی نظام کے تحت ان کے ساتھ بے شمار تار بندھے ہوئے ہیں۔ ان کے ذریعے ہمارے پورے اعلیٰ نظام میں روشنی پہنچائی جاتی رہتی ہے۔

جنرلر ٹرانزٹ کے مقام پر نصب ہے۔ یہ جنرلر دراصل ایک قسم کا سب اسٹیشن ہے۔ اس سب اسٹیشن (SUB-STATION) کو جنرلر ٹرانزٹ یعنی مفرد ہر یا فیڈ (FEED) کرتی ہیں۔

ایک اور دو کے ہرول پر جس طرح گنتی سیکھنے کے لئے عدد ایک سے واقفیت لازم ہے اسی طرح انتقال اندکار کے لئے جنرلر ٹرانزٹ ایک یعنی مرکب ہرول کے علم سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔

اس کا سر لقیہ ہے :

سانس کی مشق | داپنے ہاتھ کے انگوٹھے سے سیدھے نچنے کو بند کر لیں اور بائیں نچنے سے پانچ سیکنڈ تک سانس کھینچ کر بائیں ہاتھ یا چھٹیلے سے بند کر لیں اور پندرہ سیکنڈ تک سانس روک لیں۔ پندرہ سیکنڈ کے بعد سیدھے نچنے سے دس سیکنڈ تک سانس خارج کریں۔ اب دوبارہ دائیں نچنے ہی سے پانچ سیکنڈ تک سانس اندر کھینچیں۔ بائیں نچنے پر سے چھٹیلے ہاتھ کو دوبارہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں ہاتھ بند کر لیں۔ سانس کو پندرہ سیکنڈ تک دس کے رکھیں۔ پھر بائیں نچنے سے دس سیکنڈ تک سانس باہر نکالیں۔ یہ ایک چکر ہو گیا۔

اوقات مشق | صبح سورج نکلنے سے قبل اور رات کو سونے سے پہلے۔ لیکن یہ عمل آدھی رات گزرنے کے بعد نہ کیا جائے۔

سانس لینے کی تعداد | صبح کے وقت دس چکر، رات کے وقت پانچ چکر۔

سانس کی مشق کے بعد حسب دستور مراقبہ کیا جائے۔ مراقبہ میں یہ تصور کریں کہ نائٹ کی جگہ ایک روشن نقطہ ہے۔ اس جگہ گزرتے روشن نقطہ میں سے شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ ہمارا پورا ماحول، چرند پرند، کوہ و دین، مشرق و مغرب، شمال و جنوب، حیوان و انسان، زمین و آسمان سب میں یہ شعاعیں اور ہر میں جذب ہو رہی ہیں۔ مراقبہ پندرہ منٹ تک کیا جائے۔

خصوصی تاکید | شائقین طبیعت کو ایک بار پھر تاکید کی جاتی ہے کہ کوئی صاحب بیچ میں سے کسی سبت سے شروعات نہ کریں۔ ضرورت ہے کہ کسی ماہر روحانیات کی نگرانی میں اس بات پرورے کئے جائیں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ہدایات پر حرف بحرف عمل کیا جائے۔



چھٹے سبق کے دوران تیرہویں کی نیابت

ع۔ میں۔ کراچی

حسب دستور مراقبہ کیا۔ مراقبہ میں یہ تصور پوری طرح قائم ہو گیا کہ نافت کی جگہ ایک روشن نقطہ ہے جو ستارے کی طرح جھلک کر رہا ہے۔ بیک ایک اس نقطہ میں حرکت ہوتی اور یہ ^{ANTI-CLOCK-WISE} گھومنے لگا۔ بالکل اس طرح جیسے کوئی بچہ پچھلے پچھلے کو گھماتا ہے یا گھومتی ہوئی آتش بازی جس کے اندر سے روشن پھول نکلتے ہیں۔ بس فرق یہ تھا کہ اس نقطہ میں سے بجائے اس کے کہ آتش بازی کی طرح پھول گریں شعاعیں نکل رہی تھیں۔ ان شعاعوں نے جب زمین کا چکر لگایا تو یہ عقیدہ کھلا کہ زمین کے اندر موجود ہر مخلوق میں ایسا ہی ایک روشن نقطہ ہے اور ہر روشن نقطہ کی شعاعیں تمام مخلوق کے روشن نقطوں میں ایک دوسرے سے رد و بدل ہو رہی ہیں۔ ذہن میں آئی کہ اگر ایسی پیدا ہو گئی کہ دوسری مخلوق کے روشن نقطہ کی شعاعیں نافت کی جگہ میرے اندر روشن نقطہ میں جذب ہونے لگیں۔ پھر یہ روشن نقطہ، آئی دی کی طرح، ایک اسکرین بن گیا۔ اور اس میں موجودات کا عکس نمایاں ہونے لگا۔ پہلے مدہم مدہم، پھر ذرا روشن، پھر اور زیادہ روشن۔ انتہا یہ کہ میں نے اپنے اندر اس اسکرین پر زمین کے اوپر تمام مناظر قدرت کو تسلیم کی طرح دیکھا۔

میں اس پر کیفیت شاہدے میں اتنا محو ہو گیا کہ ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ میرا بھی

ایسا کوئی وجود ہے۔ اس کیفیت کے بعد میں نے یہ محسوس کیا کہ درختوں کے اندر روشن نقطہ مجھے اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ اور پھر درخت نے مجھ سے بلڈ کرنا شروع کر دیا اس درخت نے مجھے بتایا کہ میں فلاں نسل سے تعلق رکھتا ہوں اور میرے آباؤ اجداد اس سرزمین پر کروڑوں سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ پہاڑ کے اندر روشن نقطہ مجھ سے مخاطب ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ میری پیدائش اور نشو و نما بھی اسی طرح ہوئی ہے جس طرح زمین کی دوسری مخلوق کی پیدائش عمل میں آئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میری نسل میں نامم اسپیس کی وہ صورت نہیں ہے جو دوسری مخلوق کے ساتھ ہے۔ میری نشو و نما بہت دیر سے دیر سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی درخت پانچ سال میں جوان ہوتا ہے تو میری جوانی کا دور ہزاروں سال کے اوپر محیط ہوتا ہے۔ میں نے جب اس کی وجہ دریافت کی تو پہاڑ نے مجھ سے کہا کہ میرے سائنس کی رفتار عام حالات سے ہٹ کر ہے۔ میرے ایک سائنس کا وقت پندرہ منٹ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میری نشو و نما میں اتنا زیادہ طویل عرصہ لگ جاتا ہے۔

لاہور

حالات کو سونے سے پہلے، آدمی رات گزارنے کے بعد میں نے چھٹے سبق کی مشق کی۔ دیکھا کہ میں ایک شیشے کا بنا ہوا خول ہوں۔ اس شیشے میں چھ روشن نقطے ہیں۔ ایک نقطہ جو بہت زیادہ روشن ہے میرے جسم میں نافت کے مقام پر آویزاں ہے۔ اس نقطے کے اندر جو باریک تاریں ان کی تعداد اتنی ہے کہ جو میرے اندازے کے مطابق شمار میں نہیں آسکتی۔ نقطے کے اندر روشن تاریں کائنات میں موجود ہر مخلوق بتدی ہوئی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ قہر کٹھن پٹی بچانے والے کا ہاتھ ہے۔ جب یہ تار ہٹے

ہیں تو طرح طرح کی مخلوقات انکھوں کے سامنے آجاتی ہیں۔ یوں کی طرح ایک جانور کو دیکھ کر میرے اوپر ہیبت طاری ہوگئی۔ یہ جانور اتنا بڑا تھا کہ دور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا تھا کہ کوئی پہاڑ ہے۔ اس کے بعد میں نے زمین پر بہت بڑے بڑے ہاتھی چلتے پھرتے دیکھے۔ جس طرح کوئی گرچھ کسی بڑی پھلی کو نگل جاتا ہے اسی طرح اس پر ہیبت جانور نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہاتھی کو نگل لیا۔ یہ اتنا ڈراؤنا منظر تھا کہ میرے اوپر لرزہ طاری ہو گیا۔ اور میں مراقبہ جاری نہ کر سکھا۔

ن۔ آخر سر، مرگودھا

چھٹے سن کی مشق کرتے ہوئے ایک مہینہ دس دن ہو گئے ہیں۔ ابتدائی دس دنوں میں کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ سرے انتہا بھاری رہا۔ زیادہ بوجھ سر کے بائیں طرف تھا۔ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دماغ پھٹ جائے گا۔ جب تکلیف کا احساس بہت زیادہ بڑھ گیا تو میں نے آپ کی ہدایت کے مطابق صبح شام، رات صبحی ملا کر پھیلوں کا رس پینا شروع کر دیا۔ اس تکلیف وہ حالت میں بالکل غیر اختیاری طور پر میں ایک پارک میں چلا گیا۔ وہاں تالاب کے کنارے بیٹھا ہوا غلام میں گھور رہا تھا کہ دماغ میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا روشنی کا یہ جھماکا اتنا تیز تھا کہ میری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں اور کھلی آنکھوں سے یہ نظر آیا کہ نواف کے مقام سے سورج کی طرح شعاعوں کا ایک دھارا بہہ نکلا ہے۔ اب ایک نئی صورت حال پیدا ہوگئی۔ میں نے ان روشنیوں کو تالاب میں تیرتی ہوئی پھیلیوں پر مرکوز کر دیا اس ارادے کے ساتھ کہ تالاب کی تمام پھیلیاں سطح آب پر آجائیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے تالاب کی تمام پھیلیاں اُڑپا گئیں۔ پھر میں نے یہ ارادہ کیا کہ آدھی پھیلیاں سطح آب پر تیرتی رہیں اور آدھی پھیلیاں پانی میں چلی جائیں۔ اس کی بھی تعمیل ہوئی۔ اس کے بعد اپنے اندر سے نکلنے والی

ان بسروں کو میں نے گلاب کے سُرخ پھولوں پر مرکوز کر دیا اس ارادے کے ساتھ کہ پھول کارنگ سفید ہو جائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پھول کی سُرخ پنکھڑیاں سفید ہو گئیں۔ لیکن اس بات سے مجھے سخت صدمہ ہوا کہ پھول شام پر قائم نہ رہ سکا اور مر جھا گیا۔

ہدایت: ماورائی علوم سیکھنے والے تمام طلب و طالبات کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ کوئی کام ایسا نہ کریں جس میں تخریب کا پہلو ہو۔ تالاب سے سطح آب پر پھیلیوں کو لانے میں اور گلاب کے رنگ کی تبدیلی میں تخریب کا پہلو نمایاں ہے۔ ماورائی علوم اس لئے سکھائے جاتے ہیں کہ انسان اپنی باطنی صلاحیتوں کو بیدار کر کے نور انسانی اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کرے۔

ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ نے ہر چیز تعمیری انداز میں تخلیق کی ہے۔ اسی طرز فکر کو بیدار اور اجاگر کرنے کے لئے وہ اسباق بیان کئے گئے ہیں جو اس روحانیت سے ہم رشتہ ہیں جس کی تصدیق اللہ کی کتاب کرتی ہے اور جس کو عوام کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے ہیں۔

تخریبی ذہن کے کسی بندے کو اس کتاب سے استفادہ کرنے کی اجازت نہیں ہے اس لئے کہ تخریبی عمل سے خود اسے نقصان پہنچے گا۔



ساقاوال سبق

سائنس کی مشق

دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے سیدھے نختے کو بند کر لیں اور بائیں نختے سے دس سیکنڈ تک سائنس کھینچ کر بایاں نختہ چھٹیکارے بند کر لیں اور تیسری سیکنڈ تک سائنس روک لیں۔ تیس سیکنڈ کے بعد سیدھے نختے سے دس سیکنڈ تک سائنس خارج کریں۔

اب دوبارہ دائیں نختے ہی سے دس سیکنڈ تک سائنس اندر کھینچیں۔ بائیں نختے پر سے چھٹیکارے ہاتھ کو دوبارہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں نختہ بند کر لیں۔ سائنس کو تیسری سیکنڈ تک روک لیں۔ پھر بائیں نختے سے دس سیکنڈ تک سائنس باہر نکالیں یہ ایک چکر ہو گا۔

اوقات مشق | صبح سویرے نکلنے سے قبل اور رات کو سونے سے پہلے لیکن یہ

عمل آدمی رات سے پہلے سطر کر لیا جائے۔

سائنس لینے کی تعداد | صبح کے وقت پانچ چکر، رات کے وقت دس چکر۔

مراقبہ میں جیتھ جائیں۔ آنکھوں کے اوپر دائیں دوا سیارہ رنگ پکڑیں اس طرح ہاتھ لیں کہ آنکھوں کے پوٹوں پر ہاتھ کا سا دباؤ پڑتا رہے۔ رومال کی بندش سے تھکا ہوا نہ ہو کہ آنکھیں دکنے لگیں۔ رومال ہاتھ سے مقصد یہ ہے کہ پوٹوں پر اتنا طبیعت دباؤ رہے کہ پوٹے حرکت نہ کر سکیں۔ اب یہ نصیحت کریں کہ انٹرا طرف کا دماغ - ANTI

CLOCK-WISE گھوم رہا ہے۔ اس مشق کے دوران اکثر یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی طالب علم دماغ کو گھماتا ہے تو جسم بھی ہلنے لگتا ہے۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ سر نہ ہلے۔ پندرہ منٹ صبح اور پندرہ منٹ رات، دماغ کو گردش دینے کی یہ مشق جاری رکھی جائے۔

اس مشق کے ساتھ ساتھ کسی ایسے آدمی کا انتخاب کریں جو پاکیزہ ذہن ہو اور آپ سے انسیت رکھتا ہو۔ ایک بڑی بینر کے اوپر کڑی کا ایک اونچا نختہ اس طرح فٹ کر لیں کہ آسنے سانسے دو بیٹھے ہوئے آدمی نظر نہ آئیں۔ دیار کی کڑی کے پاس عدد گنگے (جیسا لوڈ کا پانسہ ہوتا ہے) بنوائیں۔ گنگے کو نیلے رنگ سے پینٹ کر دیں اور ہر گنگے کے چھ پہلوؤں پر سفید رنگ سے ہندسے لکھوائیں۔ پانسہ کے ہر پہلو پر ایک کا ہندسہ لکھوائیں یعنی ایک پانسہ کے ہر پہلو پر چھ مرتبہ ایک کا ہندسہ لکھا جائے گا۔ دوسرے پانسہ کے ہر پہلو پر چھ مرتبہ دو کا ہندسہ لکھا جائے گا۔ تیسرے پانسہ کے ہر پہلو پر چھ مرتبہ تین کا ہندسہ لکھا جائے گا۔ اس طرح پچاس پانسے لکھوائے جائیں۔

بینر کے دونوں طرف دو اسٹول ڈال دیں اور دونوں آدمی بیٹھ جائیں۔ چھپیں پانے ایک صاحب کے پاس رہیں گے اور چھپیں پانے دوسرے صاحب کے پاس رہیں گے۔ دونوں صاحبان ایک کا پانی اور شیل بھی لینے پاس رکھیں۔

دونوں میں سے ایک صاحب اپنے ذہن میں یہ بات سرسوں کے سامنے میٹھا برا آدمی نمبر ایک کا پانسہ پھینکے اور نمبر ایک کا ہندسہ کاپی پر لکھ لیں۔ جب پانسہ پھینکا جائے تو اس کا نمبر بھی کاپی پر اتار لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ہندسہ جو آپ نے سوچا ہے کاپی پر لکھ لیا جائے اور وہ ہندسہ جو پھینکا گیا ہے اس کا نمبر بھی نوٹ کر لیا جائے۔

جب دونوں طرف سے چکیں چکیں پائسوں کا تباہ پورا ہو جائے تو دونوں صاحبان یہ دیکھیں کہ ذہن نے کس حد تک رہنمائی کی یعنی کتنے پائے آپ کی سوچ کے مطابق ڈالے گئے۔ اس شخص کو اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک پچھتر فی صد کامیابی ہو۔ کامیابی سے مراد یہ ہے کہ جو ہند سے آپ کے ذہن میں آئیں، فریقہ ثانی وہی ہند سے نکلنے کے اس پار پھینکے۔

یہ مشق ذممت کے اوقات متعین کر کے چوبیس گھنٹے میں پندرہ پندرہ منٹ ود وقت کیا جائے۔



ان کے ذہن کی بہارت

قانونی ہے جسے منور

قانونی ہے جسے منور

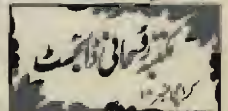
خداوند کی طرف سے منور

منازل کی طرف سے منور

منازل کی طرف سے منور

منازل کی طرف سے منور

منازل کی طرف سے منور



سلی پیچنی کے ذریعے تصرف کا طریقہ

ارشاد تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ہر تخلیق دو رخ پر قائم ہے۔ ایک رخ غالب رہتا ہے اور دوسرا مغلوب۔

مثال : آدمی دو رخ سے مرکب ہے۔ ایک مذکر، ایک مؤنث۔
مذکر رخ اگر غالب ہے تو مؤنث رخ چھپا رہتا ہے۔ مؤنث رخ اگر غالب ہے تو مذکر رخ چھپا ہوا ہے۔ اس بات کو ہم اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ مرد دو رخوں سے مرکب ہے۔ ایک مذکر، ایک مؤنث۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک رخ غالب ہو جاتا ہے تو اسی غالب رخ کی بنیاد پر جنس کا تعین کیا جاتا ہے۔ جیگرشش کے قانون میں ہم بھی فارمولا متحرک ہے۔ جو یہ رہا ہے کہ عورت کے اندر مغلوب رخ، مرد، چون کہ خود کو نامکمل سمجھتا ہے اس لئے وہ غالب رخ مرد سے متصل ہو کر اپنی کمی پوری کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح مرد کے اندر مغلوب رخ عورت ہے۔ کیوں کہ یہ مغلوب رخ اپنی تکمیل چاہتا ہے، اس لئے وہ غالب رخ عورت کے اندر جذب ہو جانا چاہتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تخلیق کا یہ فارمولا دوسرے عوامل میں بھی سرگرم عمل ہے۔ ایک آدمی بیمار ہے اور ایک آدمی صحت مند ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو کہ بیمار آدمی کے اندر بیماری کا رخ غالب ہے۔ وہ صحت مند رخ سے ہم نشین ہو کر صحت مند ہو جاتا ہے۔ صحت مند آدمی کے اندر غالب رخ صحت ہے اور بیماری اس کا دوسرا رخ ہے۔

بیماری جو مغلوب رُخ ہے اس کے اندر بھی یہ تقاضہ موجود ہے کہ اس کی تکمیل ہو اور جب بیمار رُخ صحت کے اور غلبہ حاصل کر لیتا ہے تو آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔

ایک آدمی خوش حال ہے۔ اس سے برعکس دوسرا آدمی پریشان اور مغوک احوال ہے۔ تخلیقی قانون کے تحت حالات بھی دو رُخ پختہ ہیں۔ ایک رُخ کا نام سکون ہے اور دوسرے رُخ کا نام انحلال اور پریشانی ہے۔ حالات کا وہ رُخ جو انحلال اور پریشانی ہے اگر سکون حالات پر غالب آجائے تو حالات خراب ہو جاتے ہیں لیکن آدمی صحیح فکری طور پر اپنی روحانی طاقت کے ساتھ خراب حالات کو مغلوب کرے تو حالات اچھے ہو جاتے ہیں اور آدمی کی زندگی میں سکون کا عمل دخل ہو جاتا ہے۔

فارمولا کائنات میں جو کچھ موجود ہے وہ دائرہ (CIRCLE) یا مثلث (TRIANGLE) میں بند ہے۔ دنیا کی کوئی چیز، زمین میں یا آسمان پر ایسی موجود نہیں ہے جو سرکل یا ٹرائی انگل سے مستثنیٰ قرار دی جاسکے۔ کسی مخلوق میں سرکل غالب ہوتا ہے اور کسی مخلوق کے اوپر مثلث غالب ہوتا ہے۔ ہماری دنیا میں جس کو عالمِ ناسوت کا نام دیا جاتا ہے، موجودات پر مثلث غالب ہے۔

پچھلے اسباق میں ہم یہ بات پوری طرح واضح کر چکے ہیں کہ زمین پر موجود ہر شے زندہ ہے، متحرک ہے، سانس لیتی ہے۔ یہ بالکل الگ بات ہے کہ ہم شعوری طور پر لے زندہ نہ سمجھیں یا بخود خیال کریں جیسے پہاڑ۔

قانونِ قدرت اور تخلیقی فارمولوں کے مطابق پہاڑ بھی باشعور ہوتے ہیں، پہاڑ بھی سانس لیتے ہیں، پہاڑ بھی پیدا ہوتے ہیں اور جو ان ہوتے ہیں۔ چوں کہ تخلیقی فارمولوں میں پہاڑ کی تخلیق اور نشوونما کا فارمولا الگ ہے، اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پہاڑ

جیسے کڑے ہیں۔ ایک انسان ایک منٹ میں۔ میں سانس لیتا ہے۔ پہاڑ کی پوزیشن اس سے مختلف ہے۔ پہاڑ کے سانس کی رفتار یہ ہے کہ پہاڑ کا ایک سانس زمین کی زندگی میں پندرہ منٹ کا ہوتا ہے یعنی ایک آدمی ایک منٹ میں سانس لیتا ہے اور پہاڑ پندرہ منٹ میں ایک سانس لیتا ہے۔ ہر نوع میں سانس کی جتنی مقدار یا الگ الگ تیز۔ دوسرا قانون یہ ہے کہ کائنات میں موجود ہر شے ایک شکل و صورت رکھتا ہے۔ انسان بھی خوش ہوتا ہے کبھی رنجیدہ۔ کبھی بیمار ہوتا ہے کبھی صحت مند۔ باطنی نگاہ سے شہادہ کیا جائے تو خوشی اور رنج دونوں مشکل اور ختم ہیں۔ اسی طرح ہر بیماری کی بھی الگ الگ شش ہوتی ہے مثلاً بخار کی بھی ایک شکل و صورت ہوتی ہے۔ موتی جھوٹا اپنی ایک شکل رکھتا ہے اور کینسر (CANCER) کے بگاڑ و خال ہوتے ہیں۔ اس کا قانون کتاب رنگ اور روشنی سے علالت ہے۔ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

جس طرح ایک آدمی دوسرے آدمی سے ذرا مختلف طریقہ قائم کر کے اپنا پیغام بھیج سکتا ہے اسی طرح پتھر پتھر سے بھی ذرا ہی رابطہ قائم کر کے انہیں یہ پیغام دے دیتا ہے کہ وہ زمین آؤ اور کروں۔ یہ سب بیمار یا اس پیغام کو قبول کرتی ہیں اور زمین کی جہاں بھی ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی کے سر میں درد ہے۔ آپ اپنی پوری توجہ کے ساتھ سر میں درد کی بیماری کی صورت کو دیکھیں۔ دردوریں ہوتی ہیں۔ پتھر درد کی شکل و صورت سامنے آجاتی ہے یا اس کا ایک میولاسا سامنے آجاتا ہے۔ آپ درد کو دیکھیں وہیں کہ وہ بھاگ جائے۔ درد غائب ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا تقیاس آپ اس قانون کے مطابق ہر بیماری کا علاج کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ بیماری بااختیار نہ ہو۔

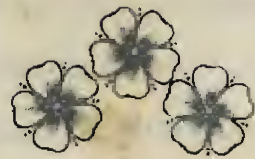
جی ہاں! پہاڑ یا کبھی بااختیار ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک بڑے اختیارات

کی حامل بیماری کینسر (CANCER) ہے۔

ٹیلی میٹری کے کینسر کا علاج | کینسر خون کو مسرت پہنچاتا ہے وہ اس طرح کہ خون

میں برقی رد و من جن حصوں سے بچ کر نکل جاتا ہے ان حصوں میں جان نہیں رہتی اور ساتھ ہی ساتھ ان ہی حصوں میں بہت باریک گولی کپڑے بن جاتے ہیں۔ یہ کپڑے اور نسل سوراج ہوتا ہے۔ اس سوراج کی خوراک برقی رد و من ہوتی ہے۔ وہ برقی رد و من زندگی کے معرفت میں آنا چاہئے مگر وہ ان سوراجوں کی خوراک بن جاتا ہے۔ نتیجہ میں خوراک کا ایک چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بجائے فائدے کے خون کو نقصان پہنچاتا ہے۔

جساکہ اوپر بیان کیا گیا کینسر ایک ایسا مرض ہے جو با اختیار ہے، مستطابہ ہو کر رکھتا ہے۔ اگر ٹیلی میٹری کے طریقے کے مطابق کینسر سے ذہنی رابطہ قائم کیا جائے اور تنہائی میں بشریکہ مریض سوتا ہو، اہمیت و دوستانہ اور خوشامداندہ انداز میں اس طرح بھینشن دی جائے کہ بھائی تم بہت اچھے ہو، بہت مہربان ہو، یہ آدمی بہت پریشان ہے، اس کو معاف کر دو، اگر کینسر دوستانہ جذبات کی قدر کرتے ہوئے مریض کو چھوڑ دیتا ہے۔



اسٹھواں سبق

سانس کی مشق | دہانے ہاتھ کے انگوٹھے سے سیدھے نٹھے کو بند کر لیں اور بائیں نٹھے سے دس سیکنڈ تک سانس کھینچ کر بایاں نٹھنا چھٹکیگا سے بند کر لیں اور پینتالیس سیکنڈ تک سانس روک لیں۔ پینتالیس سیکنڈ کے بعد سیدھے نٹھے سے دس سیکنڈ تک سانس خارج کریں۔

اب دوبارہ دائیں نٹھے ہی سے دس سیکنڈ تک سانس اندر کھینچیں۔ بائیں نٹھے پر سے چھٹکیگا ہٹا کر دوبارہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں نٹھنا بند کر لیں۔ سانس کو پینتالیس سیکنڈ تک روک رکھیں۔ پھر بائیں نٹھے سے دس سیکنڈ تک سانس باہر نکالیں۔ یہ ایک چکر ہو گیا۔

اوقات مشق | صبح سویرے نکلنے سے قبل اور رات کو سونے سے پہلے حسب دستور مشق بھی دھی رات گزرنے سے پہلے کی جائے۔

سانس لینے کی تعداد | صبح کے وقت دس چکر، رات کے وقت دس چکر۔

حسب معمول آنکھوں پر پٹی باندھ کر بیٹھ جائیں۔ اور یہ تصور کریں کہ دل کے مقام پر ایک روشن نقطہ ہے جب نقطہ کے اوپر ذہن مرکوز ہو جائے تو اس نقطہ کو واضح کی طرح گھمائیں۔ مشق میں منٹ منٹ صبح اور میں منٹ رات کو کی جائے گی۔ مشق کی تکمیل کے بعد اپنے کسی ایسے دوست کا انتخاب کیجئے جو آپ کی طرح ٹیلی میٹری

سیکھنے میں دل چسپی رکھنا ہوا شغف پوری کر چکا ہو تا سلسلہ کا کوئی تعین نہیں۔ آپ کا یہ دوست لندن یا امریکہ میں بھی ہو سکتا ہے۔ لندن یا امریکہ میں رہنے والے بلی بیٹی کے منتہی کے لئے کوئی سسٹم دوست ہاگستان یا بھارت میں بھی ہو سکتا ہے۔ اور دو دوست ایک گھر کے دو کمروں میں بٹھا بیٹھ سکتے ہیں۔ ایک شہر کے شمال و جنوب میں بیٹھ کر بھی اس مشق کی تکمیل کی جاسکتی ہے۔ ایک وقت مقرر کر کے، گھڑی دیکھ کر صحیح وقت پر دونوں دوست انکلیں بند کر کے یا کھلی انگلیوں میں جو ہیں اور اپنے میڈیم کو کوئی پیغام دیں۔ اس متعین وقت میں سسٹم کے ذہن میں جو بات آئے وہ لکھ لی جائے۔ اسی طرح جو پیغام دریا بھار ہے اسے بھگا داری میں نوٹ کر لیں۔ روز محکم ہر روز روز درتہ ہفتہ وار یا ہفتہ روزہ رپورٹ پر غور کریں اور اپنی اپنی ڈائریوں میں لکھیں کہ کیا پیغام دیا گیا تھا اور ذہن نے کیا قبول کیا ہے۔ پچاس فی صد کامیابی کے بعد اس مشق کو عام حالات میں جاری رکھیں۔ مثلاً یہ کہ کوئی آدمی بیمار ہے اس کو بہت بتا کر یہ پیغام (SUGGESTION) دیں کہ تم صحت مند ہو وغیرہ وغیرہ۔



دماغ ایک درخت

سوالیہ بریکائیہ صحیح ہے کہ مادیاتی علوم سیکھنے والے افراد میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے جن کی عمر کم ہے یا وہ نوجوان عورتیں ہیں جن کا شعور ابھی بچپن کے دور سے باہر نہیں آیا۔ اس کے برعکس عمر رسیدہ لوگ اور وہ حضرات جو دانشور کہلاتے ہیں یا فلسفہ اور منطق کے خشک میں سرگرداں رہتے ہیں اور وہ حضرات جن کی طبیعت میں خشکی، یسوست اور انتہا پسندی ہے مادیاتی علوم حاصل نہیں کر سکتے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی صفائی میں دماغ ایک ایسی زرخیز زمین ہے جس میں قسم قسم کے درخت اُگتے ہیں۔ درخت چھوٹا ہو یا بڑا ہر حال درخت ہے۔ دماغ کی سرزمین پر جو درخت اُگتے ہیں انہیں مختلف علوم کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ علوم اتنے ہیں کہ کسی طرح ان کا شمار ممکن نہیں۔ ان علوم میں مادیاتی علوم کی اپنی الگ ایک حیثیت ہے۔ مادیاتی علوم روحانیت کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔

کسی درخت کی ہری بھری شاخ کو مفید مطلب، اغراض و مقاصد میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس کوکھی شاخ سے (سوکھی شاخ سے) سڑا گھن کر، بوٹی کڑی ہے، ہم کوئی چیز نہیں بنا سکتے، انتہا یہ کہ وہ جلانے کے بھی کام نہیں آتی۔ کم عمر بچے اور نوجوان عورتیں ہری بھری شاخ کی مانند ہیں جب کہ عمر رسیدہ لوگ خشک کڑی کی طرح ہیں۔ ماہرین نفسیات اور مادیاتی علوم کھانے والے اساتذہ اپنے

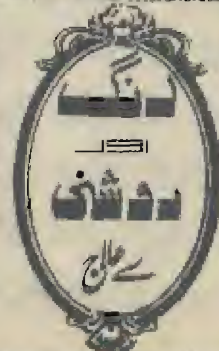
مشاہدات و تجربات کی روشنی میں اس کی بنیاد کی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ روحانیت
سیکھنے کے لئے نرم طبیعت، گداز دل اور آزاد ذہن ہونا ضروری ہے۔ جیسے جیسے
عمر بڑھتی ہے آدمی اپنے مخصوص نظریات کے خول میں بند ہو کر تنگ نظر اور تنگ دل
ہوتا چلا جاتا ہے اور اپنے ان نظریات کو زندگی قرار دے دیتا ہے جب کہ روحانیت
اس بات سے واقف ہی نہیں ہے۔ اور یہ بات ہمارے سامنے کی ہے کہ کوئی شاگرد
استاد سے اس وقت تک اکتساب فیض نہیں کر سکتا جب تک استاد کا کہنا اس کے لئے
حرب آخر نہ ہو۔ اس کی مثال ہم پچھلے صفحات میں دے چکے ہیں۔ ہم نے عرض کیا ہے
کہ ایک بچہ اگر الف کو حرب آخر سمجھ کر الف نہ کہے تو وہ علم سے محروم رہ جائے گا۔
نوجوان طلبہ اور معصوم اور پاکیزہ فطرت خواتین اس لئے جلد کا سیلاب جاتی
ہیں کہ ان کے ذہن میں چون و چسپرا نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس عمر رسیدہ اور پختہ
لوگ کسی روحانی استاد کی شاگردی اختیار کرنے کے باوجود اپنی پختہ طبعیت پر ٹکرتے اور
مخصوص نظریات کی روشنی میں استاد کی وہی ہوئی ہدایات کا تجزیہ کرتے ہیں اور ان
علوم کو جن کو سیکھنے کے لئے ان کی حیثیت بالکل ایسے بچے کی سی ہے جو الف ،
ب ، ا ت نہیں جانتے استاد کی ہدایات کو منطق اور فلسفہ کی کسوٹی پر پرکھنے کی
کوشش کرتے ہیں۔

یہی وہ ناقص طرز عمل ہے جس کی وجہ سے راستہ کھوٹا ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ
اس حقیقت سے نا آشنا ہوتے ہیں :-
”جہاں علم فلسفہ اور منطق کی حدود ختم ہوتی ہیں، اس سے آگے روحانیت
اور مادرائی علوم کی حدیں شروع ہوتی ہیں“

مادرائی علوم سیکھنے والے ہر طالب علم کو یہ بات پوری طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے
کہ مخصوص نظریات کی حد بندیوں کا کتنی اہمیت ہے اور خود کو کسی ایک دو یا زیادہ علوم
میں کیت سمجھنا ناقص طرز فکر ہے اور ناقص طرز فکر انسان کو ایک سوئی اور آزاد ذہن ہونے سے
محروم کر دیتی ہے۔ اور جب کوئی بندہ اس نعمت سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کے دل و
دماغ پر شک اور دوسرے آکاش بیل بن کر پھیل جاتے ہیں اور ان کے اندر فکری صلاحیتوں
کے بیٹے ہوئے دریا کو جس کو خشک کر دیتے ہیں۔ یہی وہ المناک صورت ہے جس کے
بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

خَسِمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ
لَّهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (سورہ بقرہ آیت ۷)

مُبْرُک اللہ نے ان کے دلوں کے اوپر اور ان کے کانوں کے اوپر اور ان کی آنکھوں کے اوپر پتھر
اور ان کے واسطے بڑا عذاب ہے۔



اس کتاب میں تقریباً دو سو سال کا علاج پیش کیا گیا ہے۔
اس علاج میں عرض کی گئی ہے کہ منہ بول کے ذریعہ
بیماریوں سے تندرستی کا علاج ہو جاتا ہے۔
تندرستی کے ذریعہ دل اور کلیات کے کلام کی بات کہنے گئے
ہیں ان سے ہر شے نیک اور صواب و کامیاب نکلتی ہے۔
لکھا گیا ہے۔

روحانی انسان

سوال۔ تسلسلہ یعنی کے سلسلے میں آپ نے اب تک جو تصوری پیش کی ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ یہ علم مسلمانوں کے لئے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔ اور ان علوم کے شائقین کو کیا آپ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ مادیاتی معلوم صرف مسلمانوں کا پیشہ ہیں اور وہی اس علم میں کمال کو پہنچتے ہیں؟

جواب۔ جو بندہ فی الواقع روحانیت کے علوم پر کسی نہ کسی حد تک مترس رکھتا ہے اس کی تسلسلہ فکر اسی حد تک مادے سے دور ہو جاتی ہے اور وہ زندگی کے تمام شعبوں کو فورانیت سے ہم آغوش دیکھتا ہے۔ اس کے یقین میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ صلاحیت کا تمام تر دار و مدار روح سے ہے۔ اسے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ تمام نوع انسانی روحانی صلاحیتوں سے مالا مال ہے اور ہر انسان اپنے اندر موجود اس صلاحیت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ نوع انسانی کے دائرے سے نکل کر جب وہ زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتا ہے تو وہ یہ جان لیتا ہے کہ زمین کا گوشہ گوشہ فورانیت اور روشنیوں سے معمور ہے۔ اس کے علم میں یہ بات آجاتی ہے کہ اگر کسی مقام پر کسی مکان میں کوئی حادثہ رونما ہو جائے تو اس دردناک واقعہ کی پسین زمین کو متاثر کرتی ہیں اور جس طرح کما انسان کے دماغ پر کسی واقعہ کے نقش و نگار محفوظ ہو جاتے ہیں اور دماغ متاثر ہوتا ہے اسی طرح زمین کے حلقے میں بھی یہ دردناک واقعہ محفوظ ہو جاتا ہے اور

اس دردناک واقعہ کی پسین زمین کے اندر سے برابر باہر آتی رہتی ہیں۔ بعض اوقات کسی ایک خط پر مسلسل حادثات رونما ہونے سے TRAGEDY اور افسانہ کی اس قدر شدید ہو جاتی ہے کہ درد و دیوار سے ہیبت، افسردگی اور خوف محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس قسم کے واقعات مسلسل رونما ہونے سے جب اس مخصوص خط زمین کے اوپر درد و دیوار متاثر ہو جاتے ہیں تو لوگ اس مکان کو آسیب زدہ کہنے لگتے ہیں۔ یہ آسیب کیا ہے؟ مائیک کے دردناک واقعہ کی فلم ہے جو حساس انسانوں کو زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ کوئی روحانی انسان کسی علم کو کسی ایک قوم کے لئے مخصوص نہیں کرتا۔ روحانیت پوری نوع انسان کا ورثہ ہے لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان اپنے مقدس اسلاف کے بیش قیمت ورثہ سے تقریباً محروم اور بے پرواہ ہو چکے ہیں جب کہ غیر مسلم اقوام مسلسل جستجو کے ذریعے مادیاتی علوم کی حقیقت پانے کے لئے ات دن کو مشاغل ہیں۔ انہیں کافی حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے۔ اس کی ایک مثال روس کے سائنس دانوں کے وہ تجربات ہیں جن کے ذریعے انہوں نے ثابت کیا ہے کہ مادیاتی علوم میں ایک شعبہ TELEPATHY ایک سائنٹفک حقیقت ہے دیگر ممالک کے ماہرین نفسیات و پیراسائیکا لو جیا رویوں کی اس کامیابی سے پریشان ہیں کیونکہ وہ یہ بات سمجھ چکے ہیں کہ اگر کوئی قوم روحانی طریقہ پر دماغی کارکردگی کو سمجھ کر تخریب پر آمادہ ہو جائے تو ساری نوع انسانی اس قوم کی غلامی پر مجبور ہو جائے گی اور تمام دنیا کے وسائل اس قوم کے تصرف میں آجائیں گے۔

روحانیت اور استدراج

سوال: شیطان کی مشقوں کے دوران جن لوگوں کے اوپر واردات و کیفیات مرتب ہوئی ہیں انہوں نے زیادہ تر ایسے حالات قلم بند کئے ہیں جن میں ان کی نیک اور اوج سے ملاقات ہوئی اور مقامات مقدسہ کی انہوں نے زیارت کی۔ یہ بھی ہوا ہے کہ کچھ لوگوں نے سادہ رانی مخلوق سے گفتگو کی۔ کسی صاحب مشق نے یہ نہیں لکھا کہ اس کی ملاقات ذریت ملیس سے ہوئی ہے جب کہ سادہ رانی مخلوق میں بدرویں اور ذریت ملیس بھی شامل ہیں۔ براہ کرم اس بارے میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: تمام علوم ستری، جن میں شیطان بھی انتقال جہال کا علم بھی شامل ہے، کو سمجھنے، دیکھنے اور ان علوم سے استفادہ کرنے کی دو طرز ہیں۔ ایک روحانی طرز ہے اور دوسری کا نام استدراج رکھا گیا ہے۔

کتبہ یہ ہے کہ اگر علم کی معنوی حیثیت تعمیر ہے تو وہ حق ہے اور اگر علم کی معنوی حیثیت تخریب ہے تو وہ شیطنت ہے۔ حق اور شیطنت دونوں کا تعلق طرز فکر سے ہے۔ روحانی اور شیطانی دونوں گروہوں کی طرز فکر اور کلہ طرز فکر جدا ہیں۔ کلہ طرز فکر کو منحرف کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

استدراجی طرز سے وابستہ لوگوں کے کلہ طرز 'دیواہ' 'کالی داہ' ہیں۔ یہ الفاظ سیدنا خلیفہ ازلی سے بھی پہلے کے ہیں۔ حضرت نوحؑ کے زمانے تک اہل حق کا جو کلہ طرز تھا

وہ فقط اللہ اور الا اللہ کے ہم معنی تھا۔ حضرت نوحؑ کے بعد تمناہ اور تنجیہ نامی پرست لوگوں کا کلہ طرز بن گیا۔ 'دیواہ' اور 'کالی داہ' منسوخ کر دیا گیا۔ مگر کچھ لوگوں نے اس منسوخی کو تسلیم نہیں کیا۔ اور اپنی تخریبی طرز فکر کے لئے ہی کو کلہ طرز بنائے رکھا۔ اور ان لوگوں کے انکار کا وجہ سے یہ استدراج کا کلہ طرز بن گیا۔ پھر حضرت ابراہیمؑ سے کئی صدیاں پہلے اللہ اور الا اللہ کو کلہ حق قرار دیا گیا۔ تمناہ اور تنجیہ منسوخ قرار دیا گیا۔ اس وقت سے اب تک حق پرست لوگوں کا کلہ طرز اللہ اور الا اللہ ہے اور قیامت تک برقرار رہے گا۔ اس کے عکس ذریت ملیس اور شیطنت نے پروکاروں نے ابھی تک 'دیواہ' اور 'کالی داہ' کو اپنا کلہ طرز بنایا ہوا ہے۔

علم اور اس کی طرزوں کی تشریح قرآن پاک میں حضرت موسیٰؑ کے واقعہ میں کی گئی ہے جب حضرت موسیٰؑ کو حق کا نمائندہ بنا کر فرعون کی طرف سے بھیجا گیا تو فرعون نے پیغمبر خدا کے معجزات کو استدراجی علوم پر قیاس کیا۔ چنانچہ اس نے حضرت موسیٰؑ کو جادوگر قرار دے کر اپنے ملک کے تمام بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کر لیا تاکہ وہ حضرت موسیٰؑ سے مقابلہ کر کے انہیں زیر کر دیں۔

مقابلے کے دن، میدان میں ایک طرف اللہ کے پیغمبر حق کے نمائندے، حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ تھے اور دوسری طرف ذریت ملیس، استدراج کے نمائندے، جادوگروں۔

جادوگروں نے اپنی رستہ بال، بان اور لایچیاں پھینکیں جو سہاواں، وارندہ ہوں کی صورت اختیار کر گئیں۔ اس کے منہ سے بی بی و بی بی کے مطابق حضرت موسیٰؑ نے ہناقص

اور

تذکرہ قلندر بابا اولیاء

کے بعد
خواجه شمس الدین عظیمی کی ہستی

جنت کی سیر

شائع ہوئی ہے

اس کتاب میں مسک کی تعلیمات کے دوران میں لکھی گئی دارودہ کی تعلیمات کو سادہ اور دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے

چند منتخب عنوانات

اشرفی کی آواز دور رخ لاشعیر زینت کائنات	آدیاراشد کے نماز معاذی جنت کی زیارت نیکوئی کا سفر و حرکت	مہر نعت روایت میں سائنس کا مطالعہ لکھنا کا سفر و حرکت	زشتوں سے ہم کو غلامی کا پہلا قدم جنت کی سیر و جیس
---	--	---	---

اپنے قریبی یکسٹال سے براہ راست ہم سے طلب کریں۔
ہم بابتہ روپے

مکتبہ روحانی و انجمن

1-K-13 ناطق آباد، پوسٹ بکس 1112 کراچی

Handwritten text in Urdu, likely a library or collection stamp, mentioning 'کتاب خانہ' (Library) and 'مکتبہ' (Maktaba).